Regd. L. No.7243
Phone

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

ستمبر 1980

اس پرچہ میں :-

ڈاکٹر تنزیل الرحمان صاحب سے
چند سوالات

اکتوبر کے شمارہ میں :-

ہندو کیا ہے اور کیا کرنا چاہتا ہے؟

شائع کردہ ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵۔بی گلبرگ۔ لاہور

قیمت فی پرچہ 3 روپے

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

قیمت فی پرچہ	ٹیلیفون ـــــ ۸۸۰۸۰	بدلِ اشتراک
۳	خط و کتابت	سالانہ
تین روپے	ناظم ادارہ طلوعِ اسلام ۔ ۲۵ ۔ بی گلبرگ ۲ ۔ لاہور	پاکستان ۔/۳۶ روپے غیر ممالک ۔ ۲/۱ ۳ پونڈ

جلد ۳۳	ستمبر ۱۹۸۰ء	شمارہ ۹

فہرست

۱۔ لمعات ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ۴

۲۔ سرسید کا سیاسی نظریۂ فکر (محترم ایم اے ایچ کوثر) ۵

۳۔ قرآنی درس کے اعلانات ـــ ـــ ـــ ـــ ۹

۴۔ تکذیبِ دین کون کرتا ہے؟ (محترم پرویز صاحب) ۱۰

۵۔ حقائق و عبر ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ۲۷

(۱) برکتوں کا مہینہ ـــــــ

(۲) یہ کون سے قرآن میں ہے؟ ـــــــ

(۳) موت کی سزا پانے والے ـــــــ

(۴) ہم کو ان سے وفا کی ہے اُمید! ـــــــ

(۵) سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے۔

(۶) رنگ جو کچھ دیکھتے ہو میرے پیمانے کا ہے۔

(۷) اس قتلِ ناحق کی سزا کس کو ملے گی؟ ـــــــ

(۸) اعترافِ حقیقت ـــــــ

(۹) یورپ میں تبلیغِ اسلام! ـــــــ

(۱۰) تو وہ بھی کہہ رہے ہیں کہ بے ننگ و نام ہے۔

(۱۱) مقامِ تشکر ـــــــ

۶۔ حقائق کا سامنا کیجئے! ـــ ـــ ـــ ـــ ۳۳

(ان حقائق کا جن سے صرفِ نظر کرنے کا نتیجہ ملک کا موجودہ خلفشار ہے)

۷۔ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب سے چند سوالات ـــ ـــ ۴۱

(احکامِ زکوٰۃ کے سلسلہ میں) ـــــــ

۸۔ زکوٰۃ ـــ ـــ (قرآن مجید کی روشنی میں) ـــ ـــ ۵۱

۹۔ فہرستِ معطیانِ قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی ـــ ـــ ۶۱

ایڈیٹر ۔ محمد خلیل ۔ ناشر ۔ سراج الحق ۔ مقامِ اشاعت ۲۵ ۔ بی گلبرگ ۲ لاہور ۔ پرنٹر ۔ شیخ نیاز احمد ۔ مطبوعہ علمی پرنٹنگ پریس ، ۱ ہسپتال روڈ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

روزنامہ مشرق کی ۲۱ جولائی ۱۹۸۰ء کی اشاعت میں عبدالکریم عابد نامی کسی صاحب کا ایک مقالہ شائع ہوا ہے جس کا عنوان ہے ـــــ کیا اسلام میں سیاسی جماعتوں کی گنجائش موجود ہے؟ اس میں وہ (منجملہ دیگر امور) رقمطراز ہیں:۔

کچھ لوگوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ سیاسی جماعتوں کا وجود خلاف اسلام ہے اور ملت اسلامیہ میں جماعت بندی یا فرقہ بندی کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ اس طرزِ فکر کو سب سے پہلے علامہ عنایت اللہ مشرقی مرحوم نے پیش کیا تھا کیونکہ وہ اس وقت جرمنی کے ہٹلر اور نازی فلسفہ سے متاثر تھے۔ انہوں نے اپنی تصنیف "تذکرہ" میں امتِ واحدہ کا تصور پیش کیا ہے جو فرقوں اور جماعتوں کی لعنت سے پاک ہے اور اس کو توحیدی معاشرہ قرار دیا ہے۔ علامہ مشرقی کے مطابق فرقے اور جماعتیں شرک ہیں جس سے موحد معاشرہ کو احتراز کرنا چاہیئے۔ علامہ مشرقی کے بعد علامہ اسلم جیراجپوری اور جناب غلام احمد پرویز نے بھی اسی نقطۂ نظر کو دہرایا۔ غلام احمد پرویز کہتے ہیں کہ جماعتیں اور فرقے وحدتِ امت کے خلاف ہیں اور اسلامی معاشرہ وہ ہے جس میں کوئی جماعت بندی یا فرقہ بندی کی اجازت نہ ہو۔

علامہ مشرقی (مرحوم) کے متعلق تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ وہ ہٹلر یا جرمنی کے نازی فلسفہ سے متاثر تھے یا نہیں لیکن وحدتِ اُمت اور فرقہ بندی کے متعلق جو کچھ انہوں نے، اور علامہ اسلم جیراجپوری اور پرویز صاحب نے کہا ہے، وہ ارشاداتِ خداوندی کے عین مطابق ہے اور قرآن کریم کی نصوص صریحہ اس پر شاہد ہیں۔ یہ نہ کسی کا "طرزِ فکر" ہے نہ "نقطۂ نظر"۔ یہ قرآن کریم کی واضح تعلیم ہے اور جو شخص قرآن کریم کو دین میں سند اور حجت مانتا ہے، وہ اس سے انکار کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ ہم اس موضوع پر سینکڑوں بار لکھ چکے ہیں۔

لیکن وہ مقصد جس کے لئے ہم نے عابد صاحب کے مقالہ کو اپنی توجہ کا موضوع قرار دیا ہے، اور ہے۔ وہ لکھتے ہیں

غلام احمد پرویز کہتے ہیں کہ اسلامی معاشرہ وہ ہے جس میں کوئی جماعت بندی یا فرقہ بندی کی اجازت نہ ہو اور جس میں "اولی الامر" غیر محدود اختیارات کے ساتھ حکمران ہو۔

عابد صاحب نے جو کچھ خط کشیدہ الفاظ میں لکھا ہے، اگر وہ ان کی عدمِ واقفیت کا نتیجہ ہے تو (معاف کیجئے فرمائیے) یہ ان کی ایسی جہالت ہے جس پر دنیا ہنسے گی۔ پرویز صاحب کوئی غیر معروف شخصیت نہیں۔ مخالفت

اور مواقفت' ہر دو جہت سے وہ اندرون ملک ہی نہیں' بین الاقوامی سطح پر معروف ہیں۔ اور ان کی وجۂ تعارف قرآن کریم کی وہ تعلیم ہے جسے وہ گزشتہ چالیس سال سے پیش کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اس تعلیم کا بنیادی اصول یہ ہے کہ:

کسی انسان کو حقِ حکومت حاصل نہیں۔ حکومت کا حق صرف خدا کو حاصل ہے جس کی تعمیل کا ذریعہ اس کی کتاب (قرآن) ہے۔ قرآن کی حکمرانی اصل اسلام ہے۔

قرآنی تعلیم کا یہ وہ نقطۂ ماسکہ یا اصل الاصول ہے جسے عام کرنا پرویز صاحب نے اپنی زندگی کا مشن قرار دے رکھا ہے۔ ان کی پچیس تیس کے قریب مبسوط تصنیفات جن میں سے بعض کئی کئی جلدوں پر مشتمل ہیں۔ طلوعِ اسلام میں شائع شدہ ان کے (ہزارہا صفحات پر پھیلے ہوئے) مقالات، کنونشنوں کے اجلاس اور مختلف تقاریب پر ان کے خطابات۔ ان کے درسِ قرآن (جن کا ہفتہ واری سلسلہ) قریب پچیس سال سے جاری ہے' بالواسطہ یا بلا واسطہ' اسی محور کے گرد گردش کرتے ہیں کہ:

غیر محدود اختیارات کے ساتھ حکمرانی تو ایک طرف' کسی انسان کو سرے سے حکمرانی کا اختیار حاصل ہی نہیں۔

اسلامی نظام کے متعلق وہ قرآن کریم کا یہ تصور پیش کرتے ہیں کہ قرآن کریم کے احکام' قوانین' اصول اور اقدار' غیر متبدل اور ابدی ہیں۔ حکمرانی انہی کی ہوگی۔ اسلامی حکومت کا فریضہ اتنا ہی ہے کہ وہ اپنے زمانے کے حالات کے مطابق (اُمت کے مشورہ سے) یہ طے کرے کہ ان غیر متغیر اصول و قوانین وغیرہ کو نافذ کس طرح سے کیا جائے۔ وہ صرف جزئی قوانین مرتب کرے گی تاکہ احکاماتِ خداوندی کو بروئے کار لایا جا سکے' اسے یہ کچھ حدودِ خداوندی کے اندر رہتے ہوئے کرنا ہوگا۔ اسے کہیں گے اسلامی حکومت یا اسلامی مملکت۔

پرویز صاحب مغربی جمہوریت کو اس لئے ملعون قرار دیتے ہیں کہ اس میں انسانوں کو قانون سازی کا غیر محدود حق حاصل ہوتا ہے' اور ملوکیت یا آمریت کو اس لئے مردود ٹھہراتے ہیں کہ اس میں ایک انسان دوسرے انسانوں پر حکومت کا حق رکھتا ہے۔

آپ سوچئے کہ جس شخص کی ساری زندگی اس تصورِ حکومت کے عام کرنے میں گزر گئی ہو' اس کے متعلق یہ کہنا کہ وہ اولی الامر کی غیر محدود اختیارات کی حکمرانی کا مؤید ہے اس کے خلاف کتنا بڑا بہتان ہے اور غلط بیانی کی کتنی بڑی جسارت۔

اسلامی نظامِ حکومت کے متعلق پرویز صاحب یہ تصور پیش کرتے ہیں کہ اس میں اطاعت تو صرف خدا (یعنی اس کی کتاب) کی ہوتی ہے لیکن عملاً یہ اطاعت' اسلامی نظام کی رو سے بروئے کار آتی ہے۔ اس نظام کو سب سے پہلے حضور نبی اکرمؐ نے متشکل فرمایا تھا اس لئے اس . . . . کی اطاعت کو "اللہ اور رسولؐ کی اطاعت" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کی حیثیت' مرکزی حکومت (سنٹرل گورنمنٹ) کی ہوگی۔ اس مرکزی حکومت کے افسرانِ ماتحت کو قرآن کریم نے "اولی الامر" کہہ کر پکارا ہے۔ قرآن کریم کی جس آیت میں اس نظام کا ذکر ہے' وہ یہ ہے:۔۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ . . . . (۴/۵۹)

پرویز صاحب نے اپنے مفہوم القرآن میں اس آیت کا مفہوم ان الفاظ میں بیان کیا ہے :-

(اے جماعتِ مومنین) یہ ضروری ہے کہ تم اس نظام کی پوری پوری اطاعت کرو جسے قوانینِ خداوندی کو نافذ کرنے کے لئے رسول نے قائم کیا ہے۔ اور اس مرکز کے مقرر کردہ نمائندگانِ حکومت (افسرانِ ماتحت) کی بھی اطاعت کرو۔ پھر اگر ایسا ہو کہ تم میں اور افسرانِ ماتحت میں کسی بات میں اختلاف ہو جائے تو اس کے لئے مرکز کی طرف رجوع کرو۔ یعنی افسرانِ ماتحت کے فیصلوں کے خلاف مرکزی اتھارٹی سے اپیل کرو جو اس معاملہ کا قوانینِ خداوندی کے مطابق فیصلہ کر دے گی۔ (۴/۵۹)

(مفہوم القرآن ۔ سورۃ النساء ۔ آیت ۵۹ ۔ صفحہ ۱۹۷)

یہ ہے حیثیت اولی الامر کی جس کی پرویز صاحب نے قرآن کی روشنی میں وضاحت کی ہے۔

ہم عابد صاحب سے واقف نہیں۔ لیکن ان کی خدمت میں گزارش کریں گے کہ جب کسی موضوع پر (اور بالخصوص کسی شخص کے متعلق) کچھ لکھنا ہو تو ضروری ہے کہ پہلے متعلقہ معلومات حاصل کر لی جائیں۔ یونہی غیر ذمہ دارانہ طور پر (جو جی میں آئے) لکھ دینے سے (علاوہ دیگر نقصانات) قوم میں گمراہی پھیلتی ہے اور مقالہ نگار کا اعتماد اٹھ جاتا ہے۔

---

(۲)

ہمیں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ طلوعِ اسلام کی سابقہ اشاعت (بابت اگست ۱۹۸۰ء) کے لمعات کو ملک میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور ہمیں مختلف گوشوں سے پسندیدگی کی اطلاعات موصول ہوئیں۔ فالحمد للّٰہ علیٰ ذالک۔ بعض احباب نے کہا ہے کہ ہماری تحریروں سے ہر چند اسلامی مملکت اور اسلامی نظام کا تصور واضح ہو جاتا ہے لیکن بہتر ہو کہ ایک ایک فقرہ میں یہ سمجھا دیا جائے کہ اسلامی اور غیر اسلامی حکومت میں اصولی طور پر فرق کیا ہے اور اسلامی مملکت کی عملاً پہچان کیا۔

جہاں تک اسلامی اور غیر اسلامی مملکت کے اصولی فرق کا تعلق ہے ہم قرآنِ کریم کی اس آیۂ مبین کو سینکڑوں بار پیش کر چکے ہیں کہ :

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝

جو لوگ خدا کی کتاب کے مطابق فیصلے نہیں کرتے، وہ کافر ہیں۔

اور اسلامی اور غیر اسلامی حکومت کی کم از کم عملی پہچان یہ ہے کہ

جس مملکت میں کوئی ایک فرد بھی رزق (ضروریاتِ زندگی) سے محروم رہ جائے (ارشادِ نبوی کے مطابق ــــ "رات کو بھوکا سو جائے") وہ اسلامی نہیں کہلا سکتی۔

سرسیّد کا سیاسی نظریۂ فکر

☆ ——— محترمہ ایم۔ اے۔ ایچ کوثر

جس طرح سرسید نے تعلیم کا جدید نظریۂ فکر پیش کیا اسی طرح مسلمانوں کی سیاست میں بھی وہ ایک بہت بڑے انقلاب کے بانی ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے بعد جب حتمی طور پر مغلیہ اقتدار کا خاتمہ ہو گیا اور انگریزوں کا اقتدار ہندوستان پر مستحکم ہو گیا۔ تو مسلمانوں کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اب ان کا کیا بنے گا؟ وہ محکومیت کی زندگی کیسے گذاریں گے اور انگریزوں و ہندوؤں کے مشترک دباؤ کا کس طرح مقابلہ کریں گے؟ ہندوستان کی نئی سیاست جس میں انگریز ہندوؤں کی مدد سے مسلمانوں کو کچل کر اپنے تسلط کو مضبوط کرنا چاہتے تھے اس کا وہ کس طرح سدباب کریں گے؟ اور نہ یہ سمجھ آتا تھا کہ مسلمان اپنی شیرازہ بندی کریں تو وہ کس عنوان سے کریں؟ کس مقصد کے لئے کون سے طریقے اختیار کریں؟ اور اس کے لئے کہاں سے اسباب و وسائل پیدا کریں؟ ۱۸۵۷ء کے بعد ان کی اکثر نامور شخصیتیں شہید کی جا چکی تھیں یا قید خانوں میں سڑ رہی تھیں یا اس قدر مجبور ہو گئی تھیں کہ ان سے کسی بڑے کام کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی ان حالات میں سرسید میدان عمل میں آئے اور انہوں نے سب سے پہلے مسلمانوں کو نئی تعلیم علی گڑھ کالج کے ذریعے یہ احساس دلایا کہ جب تک وہ علمی طور پر اپنے پاؤں پر نہیں کھڑے ہوں گے اور زمانے کے تقاضوں کو نہ سمجھیں گے نہ وہ اپنی حالت درست کر سکتے ہیں نہ حالات کا مقابلہ۔

انہوں نے سب سے پہلے مسلمانوں کو یہ بتایا کہ ان حالات میں اگر وہ باعزت طور پر زندہ رہنا چاہتے ہیں اور ہندوستان کی دوسری اقوام کے مقابلے میں اوسان کے ساتھ اپنے لئے بھی کوئی اچھی جگہ پیدا کرنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ وہ حکومتِ وقت یعنی انگریزوں سے تعاون کریں اور یہ بات واضح کر دیں کہ وہ انگریزی حکومت کے خلاف نہیں ہیں نہ اس کا تختہ الٹنا چاہتے ہیں اور نہ اس کے خلاف کسی تحریک یا سازش میں حصہ لینا چاہتے ہیں بغیر اس یقین دہانی کے وہ یہ توقع نہیں کر سکتے تھے کہ انگریز ان کو عنایت کی نظر سے دیکھیں گے ان کی کسی طرح امداد کریں گے یا ان کو آزادی سے رہنے بھی دیں گے۔ امر واقعہ یہ تھا کہ مسلمانوں میں کوئی سیاسی یا غیر سیاسی طاقت موجود نہیں تھی اس لئے اب ماضی کا خواب دیکھنے سے کوئی فائدہ نہ تھا حقیقت پسندی کا تقاضا تھا کہ حالاتِ وقت کو ٹھیک ٹھیک سمجھا جائے اور انہی کے مطابق کام کیا جائے۔ حالات یہ تھے کہ ہندوؤں نے بہت پہلے ہی انگریزوں سے دوستی و تعاون کر لیا اور اس طرح ان کا اعتماد حاصل کر لیا تھا۔ اسی لئے وہ حکومت کے تمام شعبوں سپاہ اور قومی زندگی کے تمام اداروں پر چھا گئے تھے۔ ایک طرف انگریز مسلمانوں کو کچل رہے تھے اور دوسری طرف ہندو اپنی ہزار سالہ محکومیت کا انتقام لے رہے تھے۔ ان حالات میں اشد ضروری تھا کہ مسلمان کم از کم حکومت کو یقین دلائیں کہ وہ باغی ذہنیت نہیں رکھتے

اور ہندوؤں کی طرح وہ بھی پُرامن شہریوں کی حیثیت سے رہنا چاہتے ہیں۔

بہت سے تعلیم خوردہ حلقوں نے خصوصاً علماء نے اور تحریک جہاد کے پسماندگان نے سرسید کی اس پالیسی پر سخت نکتہ چینی کی اور اس کو مسلمانوں اور اسلام سے غداری کے مرادف قرار دیا۔ لیکن یہ محض غلط خیالات کا مظاہرہ تھا۔ انہوں نے مسائل کا کوئی حل نہیں پیش کیا۔ زیادہ سے زیادہ صرف یہ کیا کہ دینی مدارس قائم کئے گئے جہاں قدیم طریقۂ تعلیم کو زندہ رکھا گیا لیکن وہ مسائل جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ان پر غور تک نہیں کیا اور یہ مدارس بھی اس انگریزی حکومت کے دائرے کے اندر قائم کئے۔ انہوں نے کوئی ایسی تجویز نہیں پیش کی اور نہ کوئی ایسا منصوبہ بنایا اور نہ عملاً کوئی ایسا کام کیا جس سے مسلمانوں کے مصائب و آلام کا کوئی علاج ہوتا اور ان میں دینی یا سیاسی وحدت پیدا ہوتی، یا ان کی اقتصادی ترقی کا کوئی انتظام ہوتا یا محض سرسید اور ان کی سیاسی پالیسی کو بُرا کہہ کر اور کوئی خدمت انجام نہیں دے سکے۔ سرسید نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ ماضی کی عظمت کا خواب دیکھنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ دنیا میں سلطنتیں ابھرتی اور گرتی ہیں۔ قوموں کو سیاسی عروج و زوال ہوتا ہے لیکن اگر ان کا تمدن، ان کا اخلاق، ان کا ادب، ان کی عزتِ نفس اور ان کا قومی ارادہ باقی رہے تو وہ قومیں زندہ رہتی ہیں ورنہ فنا ہو جاتی ہیں۔

سرسید نے مسلمانوں میں انہیں چیزوں کو باقی رکھنے اور فروغ دینے کی کوشش کی۔ اس لئے سیاست میں انہوں نے ایسی پالیسی اختیار کی کہ جس سے انہیں اس اقدام میں مدد ملے اور ان کا منصوبہ پروان چڑھ سکے۔ ان کا کہنا تھا کہ "میں ہندوستان میں انگلش گورنمنٹ کا استحکام کچھ انگریزوں کی محبت اور ان کی ہوا خواہی کی نظر سے نہیں چاہتا بلکہ صرف اس لئے چاہتا ہوں کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی خیر اس استحکام میں سمجھتا ہوں اور میرے نزدیک اگر وہ اپنی اس حالت سے نکل سکتے ہیں تو انگلش گورنمنٹ کی بدولت نکل سکتے ہیں[1]"۔ یہ تو تھا ان کی سیاست کا ایک پہلو۔

ان کی سیاست کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ ۱۸۸۵ء میں جب انڈین نیشنل کانگریس قائم ہوئی اور اس نے اپنے سامنے یہ مقصد رکھا کہ اس نے ہندوستان میں انگریزوں کے زیرِ سایہ ایک طرح کی داخلی خود مختاری کا نظام قائم کیا جائے اور جمہوریت کے چھوٹے چھوٹے ادارے قائم کئے جائیں اور ہندوستانیوں کو امورِ سلطنت کے آداب بتدریج سکھائے جائیں تاکہ ایک طویل مدت کے بعد جب وقت آئے اور انگریز یہاں سے ملک چھوڑ کر جائیں تو ایسے لوگوں کو اقتدار سونپا جائے جو اس کے اہل ہوں۔ بظاہر یہ بات بہت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس کی تہہ میں یہ حقیقت پوشیدہ تھی کہ یہ تحریک جب آگے بڑھے گی اور جمہوریت اپنے پورے لوازم کے ساتھ وجود میں آئے گی اور ملکی نظم و نسق میں بڑے پیمانے پر اس کا عمل دخل ہوگا تو ملک کے انتظام میں حقیقی اقتدار انہیں لوگوں کے ہاتھوں میں ہوگا جو اکثریت میں ہوں گے۔ کیونکہ جمہوریت کا اصل الاصول اکثریت کا اقتدار ہے اور یہاں اکثریت ہندوؤں کی تھی اور شیواجی کے بعد ہندوؤں میں جو قومی بیداری کا شعور پیدا ہوا تھا۔ وہ خوفناک صورت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ اب اس لئے مسلمانوں کے خلاف انتقام کا جذبہ بن کر ابھرنا شروع کیا اور اس کے آثار ہر طرف نظر آنے لگے، چنانچہ کانگریس کے قیام کے وقت ہی سرسید نے محسوس کر لیا تھا کہ یہ انگریزوں اور ہندوؤں کی ایک بہت بڑی سازش ہے۔ ہوم رول یا داخلی خود مختاری کا منصوبہ

---

[1] "چند ہمعصر" مولوی عبدالحق اردو اکیڈیمی سندھ کراچی جولائی ۱۹۷۰ء ص ۲۷۳

صرف اس لئے بنایا گیا ہے کہ بالآخر ہندوستان پر ہندوؤں کو مسلط کر دیا جائے اور مسلمانوں کی رہی سہی طاقت ان کی عزت و آبرو اور ان کے علوم و فنون اور تمدن کو ختم کر دیا جائے۔

سرسید نے اس نکتے کو جس عمدگی سے سمجھا اُسی طرح اس کی وضاحت بھی کی اور ہندوستان کے مسلمانوں کو بالکل کھلے طور پر بغیر کسی لاگ لپیٹ کے یہ بتا دیا کہ نیشنل کانگریس کی تاسیس محض ایک فریب ہے وہ اس کے دام میں ہرگز نہ پھنسیں۔ سرسید نے جس حُسن و خوبی سے یہ کام انجام دیا اور جتنی صفائی اور خلوص سے اپنے نظریہ کی تشریح و تعبیر کی مسلمانوں پر اس کا بڑا اثر ہوا اور ان کی بہت بڑی اکثریت نے ان کا ساتھ دیا اور وہ کانگریس میں شریک نہیں ہوئے۔ صرف چند لوگ یا چند بڑے اشخاص نے اس کے ساتھ تعاون کا ہاتھ بڑھایا۔ لیکن مسلمانوں کی قومی زندگی میں انہیں کوئی خاص مقام حاصل نہ تھا اس لئے ان کے تعاون سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ جب ہندوؤں نے دیکھا کہ مسلمان واقعی کانگریس کو شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں تو ان کے اصلی عزائم سامنے آ گئے اور انہوں نے کانگریس کو ہندو قوم کی نئی زندگی کا ذریعہ بنایا اور مسلمانوں سے عام بدسلوکی کے علاوہ انہوں نے کوشش کی کہ حکومت کے اداروں میں بھی جس طرح ممکن ہو سکے ان کے اثر اور وجود کو ختم کریں اور بالآخر ہندوستان پر تنہا حکومت کریں۔ کانگریس کے یہی وہ رجحانات اور یہی وہ تحریکات تھیں جن کی وجہ سے سرسید کی وفات کے چند سال بعد ۱۹۰۶ء میں ہندوستان کے مسلمانوں نے ڈھاکہ میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس کے موقعہ پر مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی تاکہ وہ مسلمانوں کے سیاسی حقوق کا تحفظ کرے۔ اور بعد میں جو کچھ مسلم لیگ نے کیا وہ معلوم ہے۔ یہاں صرف یہ نکتہ بتانا ہے کہ سرسید نے ہندوستان کی سیاست میں جو رُخ اختیار کیا اور مسلمانوں کو ایک علیحدہ قوم قرار دیا اور یہ بتایا کہ تاریخی، تمدنی اور ذہنی اعتبار سے وہ اپنا ایک الگ وجود رکھتے ہیں اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس وجود کو قائم رکھیں اور جہاں سیاسی طور پر جو کچھ بھی ہو اس میں اپنے وجود کو منوائیں اور اس کے اسٹیج پر کھڑے ہو کر گفتگو کریں۔

یہی نقطہ نظر تھا جو مسلم لیگ کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اور مسلم لیگ کے قیام نے یہ ثابت کر دیا کہ سرسید کی سیاسی پالیسی کا یہ دوسرا نکتہ بھی پہلے کی طرح صحیح تھا اور مسلمانوں کے لئے واحد راستہ تھا جس پر چل کر وہ اپنے حال اور مستقبل کی تعمیر کر سکتے تھے۔ اس اعتبار سے سرسید کے بلندیٔ فکر کی جتنی بھی داد دیں کم ہے کیونکہ اپنے انتشار کے دور میں جب کوئی راستہ نظر نہیں آتا تھا اور جب انگریز بھی سرسید کی پالیسی کے خلاف تھے کیونکہ انہوں نے انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد ڈالی تھی اور ایسے وقت میں جبکہ علماء الگ سرسید کو بُرا بھلا کہہ کر مطعون کر رہے تھے ان کا سیاست میں یہ علیحدہ اور یکطرفہ اقدام اس زمانے میں یقیناً حیرت انگیز تھا اور یہ بڑی جرأت و ہمت کا کام تھا لیکن سرسید میں یہ ہمت اس لئے پیدا ہوئی کہ وہ اپنے دور میں غالباً مسلمانوں میں سب سے ذہین آدمی تھے اور اس سے بڑھ کر یہ بات تھی کہ وہ سب سے زیادہ مخلص تھے۔

بعض لوگ سرسید پر اعتراض کرتے ہیں کہ وہ انگریزوں کے خوشامدی اور وفادار تھے حالانکہ انڈین نیشنل کانگریس جسے دراصل انگریزوں ہی نے قائم کیا تھا سرسید اس کے مخالف تھے۔ اس موضوع پر سرسید کا اپنا ایک خط ان اعتراضات کو دور کرنے کے لئے پیش کیا جاتا ہے جسے انہوں نے خان بہادر شیخ عبداللہ کو لکھا تھا۔

عبداللہ صاحب نے سرسید کی وفات سے دو سال قبل اُن سے اُن کی سیاسی پالیسی کے متعلق دریافت

کیا کہ آیا وہ ایمانداری پر مبنی ہے یا انگریزوں کی خوشامد پر، سرسید نے بتایا کہ

مائی ڈیئر عبداللہ!

السلام علیکم۔ "تم نے اس بارے میں آکر میری رائے معلوم کی ورنہ لوگ تو پیٹھ پیچھے برائی سن لیتے ہیں لیکن مجھ سے آکر نہیں پوچھتے میں نے تم کو اپنی سچی رائے اور دلی خیالات کا امین قرار دے دیا ہے اب میرے بعد جب کوئی میری نسبت یہ کہے کہ میں انگریزوں کو خوش کرنے کے لئے کانگریس کی مخالفت کر رہا ہوں تم اس کی شہادت دینا کہ یہ رائے غلط ہے کانگریس سے جو میری مخالفت ہے وہ میرے سچے خیالات پر مبنی ہے نہ کہ کسی کی خوشامد پر، میں کانگریس کے نظریے سے اس لئے اختلاف رکھتا ہوں کہ انگریزوں کے بعد اکثریت کی حکومت مسلمانوں کے لئے سم قاتل ثابت ہوگی۔ یہ مخالفت ہندوؤں کی مخالفت نہیں ہے بلکہ ہر اس شخص کی مخالفت ہے جو اکثریت اور اقلیت کے اصول پر ہندوستان جیسے ملک میں ملکی انتظام کا حامی ہے۔

میں اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہوں کہ مسلمانوں کی ہر چیز سے مخالفت ہے تو میں اس کا ساتھ کس طرح دے سکتا ہوں آگے چل کر جو کچھ ہونا ہوگا وہ ہو جائے گا لیکن اس وقت کانگریس کا ساتھ دینا مسلمانوں کے گلے پر چھری پھیرنا ہے یہ ممکن ہے کہ ہندوستان میں کسی وقت اتحادِ خیال اور اتحادِ عمل ہو جائے اور ایک پارلیمنٹ کی حکومت ہندوستان میں قائم ہو جائے تو اس سے بہتر کوئی بات نہ ہوگی لیکن موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے یہ اُمید بالکل موہوم معلوم ہوتی ہے"۔

دعاگو

سید احمد

(بہ شکریہ القلم، کراچی جنوری تا مارچ ۱۹۸۰ء)

احباب کا شکریہ

میں اپنے احباب سے تاکیداً کہا کرتا ہوں کہ وہ عیدین کی تقریب پر عید کارڈ بھیجنے کا تکلف نہ برتا کریں کیونکہ یہ اسراف میں داخل ہے۔ لیکن ان کا جذبۂ بے اختیار شوق اس احتیاط کا حریف نہیں ہوتا اور وہ اس نیازمند کو کارڈوں کے ذریعے ہدیۂ تبریکِ عید سے نوازتے رہتے ہیں۔ چنانچہ حالیہ عید پر بھی مجھے بکثرت عید کارڈ موصول ہوئے۔ جی چاہتا تھا کہ میں اپنے ان مخلص احباب کا فرداً فرداً شکریہ ادا کروں لیکن کارڈوں کی کثرت اس کی مانع ہے۔ اس لئے میں (احباب سے بصد معذرت) اجتماعی تشکر پر اکتفا کرتا ہوں، اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ انہیں صدہا مسرت آمیز تقاریب دیکھنے نصیب کرے، اور قوم کو وہ عیدِ آزاد جسے (اقبالؒ نے) شکوہِ ملک و دیں کا مظہر قرار دیا تھا۔

زیرِ بار منتِ احباب

پرویز

محترم پرویز صاحب کا درسِ قرآن

بزمِ طلوعِ اسلام لندن (انگلینڈ)
ہر ماہ کے پہلے اتوار کو ڈھائی بجے دوپہر (بذریعہ ٹیپ)
149 SUTTON COURT RD.
LONDON E-13—9NR.
PHONE 01—552—1517

لاہور میں ہر جمعہ ۸ بجے صبح (فون ۸۸۰۸۰۰)
۲۵/ب۔ گلبرگ نمبر ۲ (نزد پولیس اسٹیشن)

فیصل آباد میں ہر جمعہ ۵ بجے شام (بذریعہ ٹیپ)
حیات سرجری کلینک نمبر ۲۳ ۔ پیپلز کالونی I
(فون نمبر ۲۲۲۵۵)

کراچی ہر جمعہ کو ۱/۲ ۹ بجے صبح (بذریعہ ٹیپ) کتب خانہ
بزمِ طلوعِ اسلام ۔ کمرہ نمبر ۲۴ ہارون چیمبرز
الطاف حسین روڈ۔ نیو چالی کراچی نمبر ۲ ۔ فون نمبر ۲۳۸۸۲۸

گوجرانوالہ میں ہر جمعہ ۱/۲ ۵ بجے شام (بذریعہ ٹیپ) دفتر بزمِ
طلوعِ اسلام ملحق رہائش گاہ
چوہدری مقبول شوکت۔ گل روڈ۔ سول لائنز

پشاور میں ہر جمعہ ۹ بجے صبح (بذریعہ ٹیپ) برمکان۔ آغا
محمد یونس صاحب۔ رفیق لین صدر۔ بالمقابل وی آئی پی
مین گیٹ۔ پشاور سٹیڈیم۔ بارہ روڈ (فون نمبر ۷۲۶۵۹)

گجرات میں ہر جمعہ بعد نمازِ جمعہ نیز بروز اتوار ۴ بجے شام
بمقام ۱۲/۱/بی بھمبر روڈ (بذریعہ ٹیپ)

مردان میں ہر جمعہ ۵ بجے شام (بذریعہ ٹیپ)
برمکان ڈاکٹر رضا محمد خاں۔ نواب علی روڈ

جلال پور جٹاں میں ہر جمعہ بعد نمازِ جمعہ (بذریعہ ٹیپ)
دفتر بزمِ طلوعِ اسلام (بازار کلاں)

راولپنڈی
میں ہر جمعہ ۵ بجے شام (بذریعہ ٹیپ)
جی ۱۲۶۔ لیاقت روڈ

ملتان میں ہر جمعہ ۹ بجے صبح (بذریعہ ٹیپ)
دفتر شاہ سنز حرم پاک گیٹ۔ (فون ۳۱۰۷۱)

لیہ (بذریعہ ٹیپ) ہر جمعہ بعد نمازِ مغرب
رہائش گاہ ڈاکٹر اظہر ملک صاحب سرکلر روڈ۔ لیہ

پنج کسی (تحصیل کبیر والا ضلع ملتان) میں ہر جمعہ (بذریعہ ٹیپ) بوقت ۳ بجے شام
بمقام مطب حکیم احمد الدین صاحب
نمائندہ بزمِ طلوعِ اسلام

ایبٹ آباد میں ہر اتوار ۴ بجے شام (بذریعہ ٹیپ)
دفتر غلام مصطفےٰ اعوان ایڈووکیٹ

ہنگو میں ہر جمعہ ۱/۲ ۵ بجے شام (بذریعہ ٹیپ) برمکان
محمد جمیل صاحب واقع ریلوے روڈ (فون ۶۷)

کراچی کے خریدار متوجہ ہوں!

کتب خانہ کے اوقاتِ کار حسبِ ذیل ہیں:
ہر روز علاوہ جمعہ ۔ شام ۶ تا ۸ بجے شب
جمعہ:۔ صبح ۹ تا ۱۲ بجے دوپہر

نیز کتب خانہ میں ادارہ طلوعِ اسلام کی مطبوعات بھی دستیاب ہیں اور ایک کارڈ تحریر کرکے منگوائی بھی جاسکتی ہیں۔ (فون نمبر ۲۳۸۸۲۸)

محمد اسلام
کتب خانہ بزمِ طلوعِ اسلام ۔ کمرہ نمبر ۲۴
ہارون چیمبرز۔ الطاف حسین روڈ۔ نیو چالی۔ کراچی نمبر ۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلیم کے نام

(تکذیبِ دین کون کرتا ہے؟)

سلیم بیٹے! دعا

تم نے بلواسطہ تو سورۃ الماعون کے سرِفہرست "تکذیبِ دین" کا مطلب دریافت کیا ہے۔ لیکن بالواسطہ اس میں اور نکات بھی آ گئے ہیں۔ وہ نکات صلوٰۃ اور زکوٰۃ سے متعلق ہیں جو بجائے خود بڑی وضاحت چاہتے ہیں۔ اس وضاحت کی ایک خط میں گنجائش نہیں اس لئے میں مختصر الفاظ میں ان کا مفہوم سمجھانے کی کوشش کروں گا۔

صلوٰۃ کا مادہ (ص۔ل۔و) ہے۔ جس کے بنیادی معنی کسی کے پیچھے پیچھے چلنے کے ہیں۔ چنانچہ صَلَّی الْفَرَسُ تَصْلِیَۃً۔ اس وقت کہتے ہیں جب گھوڑ دوڑ میں دوسرے نمبر کا گھوڑا، پہلے نمبر کے گھوڑے کے عین پیچھے مسلسل دوڑ رہا ہو۔ پہلے نمبر والے گھوڑے کو سَابِقٌ کہتے ہیں اور اس کے پیچھے آنے والے گھوڑے کو اَلْمُصَلِّیْ۔ اس سے صَلّٰی کے بنیادی معنی واضح ہو جاتے ہیں۔ یعنی کسی کے پیچھے چلنے والا۔ چنانچہ حضرت علیؓ کی روایت میں ہے۔ سَبَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ۔ وَصَلّٰی اَبُوْبَکْرٍ وَثَلَّثَ عُمَرُ۔ (بحوالہ تاج العروس) "رسول اللہؐ پہلے تشریف لے گئے۔ ان کے پیچھے حضرت ابوبکرؓ۔ اور پھر تیسرے نمبر پر حضرت عمرؓ ..... امام راغبؒ نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں جو ہے: لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ۔ (۷۴/۴۳) "ہم مصلّین میں سے نہیں تھے"، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم انبیاءؑ کے پیچھے پیچھے چلنے والوں میں سے نہیں تھے۔ ان تصریحات سے صلوٰۃ کا بنیادی اور جامع مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی قوانینِ خداوندی کا پورا پورا اتباع۔ خدا کی راہ نمائی کے پیچھے پیچھے چلنا۔ یہ اتباع زندگی کے کسی ایک گوشے تک محدود نہیں۔ بلکہ انسان کی پوری کی پوری زندگی اس کے اندر آ جائے گی۔ اس لئے اس کے معنی ہوں گے زندگی کے ہر شعبے میں قوانینِ خداوندی کا اتباع۔ ان فرائض منصبی کی تکمیل جو انسان پر ان قوانین کی رُو سے عائد ہوتے ہیں۔ وہ نظام جس کے اندر رہتے ہوئے انسان

ان فرائض کی تکمیل کر سکتا ہے، دین کہلاتا ہے۔ لہٰذا صلوٰۃ کا نظام، دین کا پورا نظام ہوگا۔ صلوٰۃ کے اجتماعات (جنہیں نماز کہا جاتا ہے) اسی نظام کا ایک حصّہ ہیں۔ یہ درحقیقت عملی مظاہرہ ہے اس ایمان کا کہ ہم نے اپنی پوری زندگی قوانینِ خداوندی کے تابع بسر کرنی ہے۔ اور ان کے سوا کسی قانون اور فیصلے کے سامنے نہیں جھکنا۔ اس سے ظاہر ہے کہ صلوٰۃ کا تصوّر صرف اجتماعاتِ نماز تک محدود نہیں بلکہ انسان کی ساری زندگی کو محیط ہے۔ یعنی جب ہم نماز ادا کر لیں تو ہمیں یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ ہم فریضۂ صلوٰۃ سے بالکلیہ فارغ ہو چکے ہیں۔ ہمیں سمجھنا یہ چاہیئے کہ ہم نے فریضۂ صلوٰۃ کے ایک حصّہ کو ادا کیا ہے۔ اس کی تکمیل اس وقت ہوگی جب ہم اپنی پوری زندگی نظامِ خداوندی کے تابع بسر کریں اور اسی طرح بسر کرتے جائیں تا آنکہ ہماری دنیاوی زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (۲/۱۳۲)

صَلّٰی کے معنی

یہ بات کہ صَلّٰی کے معنی کسی کے پیچھے چلنے کے ہیں، قرآن کریم نے خود واضح کر دیئے ہیں۔ چنانچہ سورۃ القیٰمۃ میں ہے۔ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی وَلٰکِنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی (۷۵/۳۲) یہاں دیکھو صَدَّقَ کے مقابلے میں کَذَّبَ آیا ہے۔ (صَدَّقَ کے معنی ہیں تصدیق کرنا۔ سچ کر دکھانا۔ اور کَذَّبَ کے معنی ہیں تکذیب کرنا۔ جھٹلانا) اور صَلّٰی کے مقابلے میں تَوَلّٰی آیا ہے۔ تَوَلّٰی کے معنی ہیں گریز کی راہیں نکالنا۔ منہ پھر جانا۔ لوٹ جانا۔ اس سے ظاہر ہے کہ صَلّٰی اس روش کی ضد ہے جس میں انسان کے سیدھے راستے پر چلنے کے بجائے اس سے پھر جاتا ہے یا گریز کی راہیں نکالتا ہے۔ یہاں سے واضح ہے کہ صلّی کے معنی (خود قرآن کی رُو سے بھی) کسی کے پیچھے سیدھے راستے پر چلنا ہے۔ دوسرے مقام پر خود صلوٰۃ کا لفظ بھی انہی معنوں میں آیا ہے۔ سورۃ نور میں کائنات کی مختلف اشیاء کے اجمالی اور پرندوں کے خصوصی ذکر کے بعد کہا ہے۔ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ (۲۴/۴۱) ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی صلوٰۃ اور تسبیح کو جانتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں صلوٰۃ کے معنی وہ نماز نہیں جو مساجد میں ادا کی جاتی ہے۔ بلکہ اس کے معنی ہیں وہ فرائضِ منصبی جو ان اشیائے کائنات کے ذمے لگائے گئے ہیں۔ یعنی اس قانون کا اتباع جس کے مطابق چلنے کے لئے انہیں پیدا کیا گیا ہے۔ (تسبیح کے معنی ہیں فرائض کی تکمیل میں پوری پوری جدوجہد کرنا) یہ وجہ ہے کہ میں اقامتِ صلوٰۃ کا ترجمہ نظامِ صلوٰۃ کا قیام کرتا ہوں۔

نظامِ صلوٰۃ

اللہ تعالیٰ نے جو ہر جگہ "اقیموا الصلوٰۃ" کا حکم دیا ہے تو اس سے مراد نظامِ صلوٰۃ قائم کرنا ہے۔ نظامِ خداوندی کا قیام۔ نماز کے اجتماعات اس نظام کے اندر آجاتے ہیں۔ لیکن صلوٰۃ کا فریضہ ان اجتماعات تک محدود نہیں، ان سے باہر بھی ہے بالفاظِ دیگر خدا کی عبادت مسجد کی چار دیواری تک محدود نہیں۔ زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہے۔ انسان جب اجتماعِ صلوٰۃ میں شریک ہوتا ہے تو اس وقت بھی اقامتِ صلوٰۃ کر رہا ہوتا ہے۔ اور اس سے فارغ ہو کر جب زندگی کے دوسرے معاملات میں قانونِ خداوندی کی اطاعت کرتا ہے تو اس وقت بھی اقامتِ صلوٰۃ ہی کرتا ہے۔ یہ چیز کہ صلوٰۃ کا دائرہ زندگی کے دوسرے شعبوں کو بھی

اپنے اندر لے لیتا ہے خود قرآن سے واضح ہے۔ سورۂ ہود میں ہے کہ حضرت شعیبؑ کی قوم نے آپ سے کہا کہ

يَا شُعَيْبُ أَصَلَاتُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَنْ نَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ۔ (۱۱/۸۸)

اے شعیب! کیا تیری صلوٰۃ تمہیں اس کا حکم دیتی ہے کہ ہم انہیں چھوڑ دیں جن کی، محکومیت (عبودیت) ہمارے آباء اختیار کرتے چلے آئے ہیں۔ یا ہم اپنے مال و دولت کو اپنی مرضی کے مطابق صرف نہ کریں۔

اس سے ظاہر ہے کہ مال و دولت کا قوانینِ خداوندی کے مطابق صرف کرنا بھی صلوٰۃ کے اندر داخل ہے۔

امید ہے اس سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ میں یہ نہیں کہتا کہ صلوٰۃ سے مطلب نماز کے اجتماعات نہیں (لفظ نماز عربی زبان کا نہیں قدیم فارسی زبان کا ہے) میں یہ کہتا ہوں کہ یہ اجتماعات بھی فریضۂ صلوٰۃ کے اندر داخل ہیں۔ لیکن یہ فریضہ یہیں تک ختم نہیں ہو جاتا۔ یہ انسان کی پوری زندگی پر چھایا ہوا ہے۔ جو انسان نماز کے اجتماعات میں شریک نہیں ہوتا، وہ بھی تارکِ صلوٰۃ ہے اور جو کسی معاملہ میں قانونِ خداوندی کی اطاعت نہیں کرتا وہ بھی تارکِ صلوٰۃ ہے۔

میں اس نقطہ پر زور اس لئے دیتا چلا آ رہا ہوں کہ جب ہم نماز پڑھ لیتے ہیں تو ہم سمجھ لیتے ہیں کہ ہم اقامتِ صلوٰۃ کے فریضہ سے کلیتہً فارغ ہو چکے ہیں۔ ہمیں سمجھنا یہ چاہیئے کہ ہم اقامتِ صلوٰۃ کے صرف ایک گوشے سے فارغ ہوئے ہیں۔ یہ فریضہ مکمل طور پر اس وقت ادا ہوگا جب ہم اپنی ساری زندگی خدا کے قانون کے تابع بسر کریں گے۔ فقط نماز پڑھ لینا اور باقی زندگی خدا کے احکام کے خلاف گذارنا، ہمیں مصلّی نہیں بنا سکتا۔ مصلّی وہی ہے جو ساری زندگی خدا کے قانون کے پیچھے چلے۔ اس حقیقت کو سورۂ مریم کی ایک آیت میں بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ پہلے مختلف انبیائے کرامؑ کا ذکر ہے۔ جنہیں اللہ نے اپنے انعامات سے نوازا۔ اس کے بعد یہ ہے کہ: فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ (۱۹/۵۹) یعنی ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہو گئے جنہوں نے صلوٰۃ کو ضائع کر دیا اور اپنے خیالات و خواہشات کے پیچھے چل پڑے

اضاعوا الصلوٰۃ

اس سے ظاہر ہے کہ زندگی کی دو روشیں ہیں۔ ایک روش یہ ہے کہ انسان اپنے مفاد اور خیالات کے پیچھے چلے۔ اس کے برعکس دوسری روش یہ ہے کہ انسان وحیٔ خداوندی کا اتباع کرے۔ قرآن کہتا ہے کہ اپنے خیالات اور خواہشات کا اتباع کرنے والے صلوٰۃ کی روش کو چھوڑ دیتے ہیں۔ لہٰذا صلوٰۃ کے معنی ہوئے وحیٔ خداوندی کا اتباع۔ "صلوٰۃ کے ضائع" کرنے سے اس طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ لوگ صلوٰۃ کی رسمی شکل کو برقرار رکھتے ہیں لیکن اس کی اصل روح و غایت کو ضائع کر دیتے ہیں (تفصیل اس کی ذرا آگے جا کر سامنے آئے گی) بہرحال اس سے بھی

واضح ہے کہ صلوٰۃ کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنی زندگی کے تمام معاملات میں وحیٔ خداوندی کا اتباع کرے جو ایسا نہیں کرتا وہ صلوٰۃ کی حقیقت کو ضائع کرتا ہے۔

یہ تھی پہلی بات۔ دوسری بات یہ کہ جس نظام کا تعلق انسانی زندگی کی نشوونما (DEVELOPMENT) سے ہے۔ قرآن اسے خاص اہمیت دیتا ہے۔ بلکہ (اصل یہ ہے کہ) دین کا مقصود اور غایت ہی انسانی زندگی کی نشوونما ہے۔ "انسانی زندگی کی نشوونما میں انسانی جسم (طبعی زندگی) کی نشوونما بھی داخل ہے۔ اور انسانی ذات (PERSONALITY) کی نشوونما بھی۔ انسانی ذات کی نشوونما سے مفہوم ہے ان تمام صلاحیتوں کی پوری پوری بالیدگی اور ارتقاء جو انسان کے اندر مضمر رکھی گئی ہیں۔ جو حصّہ انسان کی طبعی زندگی کی نشوونما سے متعلق ہے اسے معاشی نظام کہتے ہیں۔ قرآن نے بتایا یہ ہے کہ انسانی ذات کی نشوونما کا بنیادی اصول یہ ہے کہ انسان پوری کی پوری محنت سے کام کرے۔ اور اپنی ضروریات سے جو کچھ زائد ہو اسے دوسروں کی نشوونما کے لئے کھلا رکھے۔ اسے قرآن کی اصطلاح میں "ایتائے زکوٰۃ" کہتے ہیں۔ یعنی نشوونما دینا۔ سامانِ زیست مہیا کرنا۔ (زکوٰۃ کے معنی نشوونما یا (GROWTH) کے ہیں) جیسا کہ سورۂ ہودؑ کی اس آیت سے واضح ہے جسے (حضرت شعیبؑ کی صلوٰۃ کے ضمن میں اوپر درج کیا گیا ہے) نظامِ صلوٰۃ کا نظامِ معاش کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے۔ بلکہ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اسی لئے قرآن میں اقیموا الصلوٰۃ اور آتوا الزکوٰۃ بالعموم اکٹھے آتے ہیں۔

ایتائے زکوٰۃ

(۰)

تکذیبِ دین کون کرتا ہے؟

ان دونوں باتوں کو تمہید سمجھ لینے کے بعد اب آگے چلو۔ سورۂ ماعون میں ہے۔ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ (۱۰۷/۱) "کیا تو نے اس شخص کو بھی دیکھا (اس کی حالت پر بھی غور کیا) جو دین کی تکذیب کرتا ہے"؟ یہاں دین سے انکار کرنے والوں کا ذکر نہیں۔ دین کی تکذیب کرنے والوں کا ذکر ہے۔ یعنی وہ جو زبان سے دین کا اقرار کرتے ہیں لیکن عملاً اسے جھٹلاتے ہیں۔ تم سوچو سلیم، کہ وہ کون ہے؟ جو اس سوال کا جواب سننے کے لئے ہمہ تن توجہ نہ ہو جائے گا۔ اس لئے کہ ہر شخص چاہتا ہے کہ معلوم کرے کہ وہ کون ہے جس کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ وہ دین کی تکذیب کرتا ہے اور پھر کہتا بھی اس طرح ہے کہ یہ بات محض ذہنی یا اعتقادی نہ رہے بلکہ محسوس طور پر دیکھنے والے کے سامنے آجائے (رءیت کا اشارہ اسی طرف ہے) سوال کو ایک مرتبہ پھر سامنے لاؤ۔ یعنی

کیا تو نے اس شخص کو بھی دیکھا جو دین کی تکذیب کرتا ہے؟

اب اس کا جواب سنو۔ جواب یہ ہے کہ: فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ (۱۰۷/۲-۳) یہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی

ترغیب نہیں دیتا!

تم نے غور کیا سلیم! کہ بات کیا ہوئی؟ تمہارے ذہن میں یہ ہوگا کہ قرآن یہ کہے گا کہ دین کی تکذیب وہ کرتا ہے جو خدا کو نہیں مانتا۔ آخرت پر یقین نہیں رکھتا۔ جس کے عقائد درست نہیں (وغیرہ وغیرہ) لیکن قرآن نے یہ نہیں کہا۔ اس نے یہ کہا ہے کہ دین کی تکذیب وہ شخص کرتا ہے جو دین پر ایمان رکھنے کے دعوے کے باوجود کرتا یہ ہے کہ یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کے کھانے کا نہ خود انتظام کرتا ہے نہ ایسا انتظام کرنے کے لئے تگ و دو کرتا ہے۔ جیسا کہ میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں، عربی زبان میں یتیم صرف اسی کو نہیں کہتے جس کا باپ مر چکا ہو۔ اس کے بنیادی معنی ہیں تنہا رہ جانے والا۔ دنیا کا قاعدہ یہ ہے کہ جس شخص کے ساتھ کوئی گروہ۔ کوئی پارٹی۔ کوئی جتھہ۔ کوئی جماعت ہو اس کی معاشرہ میں بڑی عزت ہوتی ہے۔ لیکن جو تنہا رہ جائے اس کی کوئی عزت نہیں کرتا۔ یہی نہیں کہ کوئی اس کی عزت نہیں کرتا بلکہ اسے ہر جگہ دھکے ملتے ہیں۔ جس معاشرہ میں ہر فرد (بجز ان کے جن کے پاس قوت و اقتدار اور جتھے اور گروہ ہوں) اپنے آپ کو تنہا (یتیم) محسوس کرے، قرآن کی رُو سے وہ معاشرہ جہنمی معاشرہ ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں کس طرح ہر فرد اپنے آپ کو (بستی دستی دنیا میں) تنہا محسوس کرتا ہے اس کا علم و احساس ہم میں سے ہر ایک کو ہے۔ لیکن اس جہنم میں صرف ہمیں ماخوذ نہیں۔ یورپ اور امریکہ کی قومیں جو ہم سے بہت آگے ہیں۔ اس باب میں ان کی حالت بھی ہم سے کچھ مختلف نہیں (میں نے شاید تمہیں بتایا ہے یا نہیں) اگلے دنوں امریکہ سے ایک دلچسپ کتاب شائع ہوئی تھی۔ وہاں کے چند نامور صحافیوں (جرنلسٹس) نے مل کر ملک کے اعداد و شمار جمع کئے اور ان کی روشنی میں بتایا کہ ان کے ہاں معاشرہ کی حالت کیا ہے؛ جو کچھ انہوں نے اس کتاب کی تفاصیل میں لکھا ہے اسے تو چھوڑو۔ انہوں نے اپنے معاشرہ کی حالت کا جو نقشہ پیش کیا ہے اس کا اندازہ اس نام (ٹائٹل) سے لگ سکتا ہے جو انہوں نے اس کتاب کے لئے تجویز کیا تھا۔ انہوں نے اس کتاب کا نام تجویز کیا (THE LONELY CROWD) غور کرو سلیم! کہ یہ نام کس قلبی کیفیت کی غمازی کر رہا ہے۔ میں کہوں گا کہ یہ کتاب کا نام نہیں، ایک چیخ ہے جو اپنے معاشرے کی حالت کو دیکھ کر ان لوگوں کے منہ سے بے اختیار نکل گئی ہے.....

(THE LONELY CROWD) اُف (CROWD) اور (LONELY)۔

یعنی یہ معاشرہ نہیں بلکہ انسانوں کا ایک ایسا انبوہ یا ہجوم ہے جس میں ہر فرد، اتنے افراد کے گروہ پیش ہونے کے باوجود اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتا ہے۔ امریکہ کے ان مبصرین نے تو اس حقیقت کو اب پایا ہے۔ قرآن اسے بہت پہلے بیان کر چکا ہے۔ اس نے اس کے لئے بعینہٖ یہی الفاظ استعمال کئے ہیں۔ (بلکہ اس سے بھی زیادہ جامع) اس نے کہا ہے کہ: یَتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ (۹۰/۱۵) ایسا معاشرہ جس میں ہر شخص دوسروں کے قریب ہونے کے باوجود اپنے آپ کو تنہا پاتا ہے۔ دیکھا تم نے سلیم! یوں معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ کے ان مصنفین نے اپنی کتاب کے ٹائٹل کے لئے قرآن کی

یتیم کی عزت

اس آیت کا ترجمہ کر دیا ہے۔

تکذیبِ دین کرنے والوں کی قرآن نے دوسری خصوصیت یہ بتائی ہے کہ: وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ۔ مسکین (سَکَنٌ۔ سَاکِنٌ) سے ہے۔ اس کے معنی ہیں وہ شخص جو حرکت سے محروم ہو جائے۔ جس کا چلتا ہوا کاروبار رُک جائے۔ جس میں کام کرنے کی صلاحیت باقی نہ رہے۔

مسکین جو متحرک سے ساکن ہو جائے۔ جو (INCAPACITATED) ہو جائے۔ خواہ کسی وجہ سے ہو۔ ہمارے معاشرے میں ایسا شخص اپنی مصیبت آپ بھگتتا اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاتا ہے۔ نہ کوئی اسے پوچھتا ہے اور نہ اس کے بچوں کا پرسانِ حال ہوتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ جس معاشرہ میں یہ کچھ ہوتا ہو اس کا انجام تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ دیکھو سلیم! قرآن نے سورۃ الفجر میں اس حقیقت کو کس قدر دل نشیں الفاظ میں بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انسان جب خدا کی راہ نمائی کی طرف سے آنکھیں بند کر لے تو اس کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ جب اُسے فراخیٔ رزق نصیب ہو تو اس پر اِتراتا ہے لیکن جب اس پر (اس کی اپنی کوتاہیوں کی وجہ سے) تباہی آتی ہے تو کہتا ہے۔ رَبِّيْ اَهَانَنِ۔ میرے رب نے مجھے خواہ مخواہ ذلیل کر دیا۔ قرآن کہتا ہے، ایسے لوگوں سے کہہ دو کہ كَلَّا۔ ایسا ہرگز نہیں۔ یہ بالکل غلط ہے کہ تمہارے رب نے تمہیں یونہی (بغیر کسی جرم اور قصور کے) ذلیل کر دیا۔ ہرگز نہیں ــــ سن رکھو کہ یہ اس لئے ہوا کہ: بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ (۸۹/۱۷-۱۸) تم ان افراد کی جو تنہا رہ جاتے تھے، عزت نہیں کرتے تھے اور ان کے رزق کا بندوبست نہیں کرتے تھے جن کی حرکت رک جاتی تھی۔ غور کیا تم نے سلیم! قرآن کہتا ہے کہ وہ افراد جو معاشرہ میں تنہا رہ جائیں، قابلِ عزت اور واجب التکریم ہیں اس لئے کہ (ان کے ساتھ برہ جنبہ اور گروہ جتھہ نہ سہی) وہ فرزندانِ آدم (انسان) تو ہیں اور ہم نے ہر فرزند آدم کو (محض اس کے آدمی ہونے کی حیثیت سے) واجب التکریم پیدا کیا ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ (۱۷/۷۰)

ضمناً یہ بھی سمجھ لو سلیم! کہ قرآن نے ان لوگوں کے خلاف صرف یہی دو جرم عائد نہیں کئے کہ وہ یتیموں کی عزت نہیں کرتے تھے اور مسکینوں کے رزق کا انتظام نہیں کرتے تھے۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہا ہے کہ: وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا۔ یہ سمجھتے تھے کہ جو کچھ انہیں باپ دادا کی طرف سے میراث میں مل جاتا ہے وہ سب ان کا اکیلوں کا حق ہے۔ اس لئے وہ اسے سمیٹ کر کھا جاتے ہیں۔ وَتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا (۸۹/۱۹-۲۰) اور ایسا جال بچھاتے ہیں جس سے لوگوں کا مال اِدھر اُدھر سے لڑھک کر سب ان کے ہاں جمع ہو جائے۔ یہ وجہ ہے ان کی تباہی و بربادی کی۔

اتنا ہی نہیں بلکہ قرآن تو یہاں تک کہتا ہے کہ مسکینوں کے رزق کا بندوبست نہ کرنے والے اور خدا پر ایمان نہ لانے والے ایک ہی ہیں۔ یہ دونوں باتیں لازم و ملزوم ہیں۔ جو مسکینوں کے

رزق کا انتظام نہیں کرتا، وہ درحقیقت خدا پر ایمان نہیں رکھتا۔ وہ اہلِ جہنم کے متعلق کہتا ہے۔
اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ (۶۹/۳۳-۳۴)
وہ خدائے عظیم پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ اور مسکینوں کے رزق کا انتظام نہیں کرتے تھے۔ (عربی زبان میں واؤ کے معنی اور بھی ہوتے ہیں۔ اور یعنی بھی۔ اس جگہ (و) کے معنی اور کئے جائیں یا یعنی۔ مفہوم وہی ہے کہ ایمان باللہ اور اطعام المسکین ساتھ ساتھ چلتے ہیں)۔

اب پھر تم سورۂ ماعون کی طرف آؤ، جہاں سے یہ بات چلی تھی۔ یعنی اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ۔ فَذٰلِكَ الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ۔ یعنی تکذیبِ دین وہ کرتے ہیں جو یتیموں کی عزت نہیں کرتے۔ اس کے بعد ہے ــــ

مصلّین

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ (۱۰۷/۴-۵) سو تباہی ہے ان مصلین (نمازیوں) کے لئے جو اپنی صلوٰۃ کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ تم حیران ہو گئے ہو گے سلیم! کہ پیچھے سے جو بات چلی آ رہی تھی وہ خالص معاشی مسئلہ سے متعلق تھی۔ (یعنی مسکین کے رزق کا انتظام) اور اس کے بعد مصلّین کا ذکر آ گیا اور ذکر بھی آیا (ف) کے ساتھ۔ (فویل) جس کا عربی زبان میں مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ پہلے کہا گیا ہے؛ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ....... بالفاظِ دیگر قرآن نے کہا ہے کہ تکذیبِ دین وہ کرتے ہیں جو یتیموں کی عزت نہیں کرتے اور مسکینوں کے رزق کا انتظام نہیں کرتے۔ سو ان مصلین کے لئے تباہی ہے جو اپنی صلوٰۃ کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ اس سے وہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے جس کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں۔ یعنی صلوٰۃ اور معاشی نظام کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور یہ صلوٰۃ کی حقیقت سے بے خبری اور غفلت کا نتیجہ ہے کہ انسان اسے محض پرستش کا طریق سمجھتا ہے اور معاشرتی اور معاشی نظام کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں محسوس کرتا۔ یہ ان کی بھول ہے۔ قرآن کی میزان میں حقیقی مصلین وہ ہیں جو اپنے معاشرتی اور معاشی نظام کو قوانینِ خداوندی کے تابع رکھتے ہیں۔ اگر کسی قوم میں معاشرتی و معاشی نظام غیر خداوندی خطوط پر متشکل ہوں تو ان کے مصلین (نمازیوں) کی صلوٰۃ (نماز) صلوٰۃ نہیں کہلا سکتی۔ ایسی صلوٰۃ کا نتیجہ تباہی اور بربادی ہوتا ہے۔

ان لوگوں کی بھول یہ ہے کہ یہ صلوٰۃ کے متعلق یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ فقط نام ہے ان حرکات و سکنات کا جو مرئی اور محسوس (VISIBLE AND PERCEPTIBLE) ہیں، جو دوسروں کو نظر آ سکتے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر لوگ کہہ دیتے ہیں کہ فلاں نمازی ہے۔ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ (۱۰۷/۴-۶) وہ ان ظاہری حرکات و سکنات (قیام۔ رکوع۔ سجود۔ رکعات وغیرہ) کو ادا کر کے سمجھ لیتے ہیں کہ ہم فریضۂ صلوٰۃ سے فارغ ہو گئے۔ حالانکہ یہ ظاہری حرکات، حقیقی صلوٰۃ کے مظاہر (SYMBOLS) ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ ظاہری حرکات بھی ضروری ہیں۔ کیونکہ حقیقت کے اظہار کا ذریعہ مجاز

ہی ہوتا ہے۔ لیکن صلوٰۃ ان حرکات کے مجموعہ ہی کا نام نہیں۔ صلوٰۃ کا مفہوم اس سے کہیں وسیع ہے۔ وہ مفہوم کیا ہے اسے قرآن نے اگلی آیت میں واضح کر دیا ہے۔ لیکن قبل اس کے کہ تم اس اگلی آیت تک پہنچو جو کچھ پہلے کہا جا چکا ہے اسے ایک مرتبہ پھر سامنے لے آؤ۔ یعنی

۱۔ کیا تم نے اس شخص کو بھی دیکھا جو تکذیبِ دین کرتا ہے؟

۲۔ یہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کے رزق کا اہتمام نہیں کرتا۔

۳۔ لہٰذا، تباہی ہے ان مصلین کے لئے جو اپنی صلوٰۃ کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔

۴۔ یعنی جو اس چیز ہی کو صلوٰۃ سمجھتے ہیں جو دوسروں کو نظر آ جائے۔

اور اس کے بعد ہے:۔

وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ (۱۰۷/۷)

یعنی ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ نماز کی حرکات و سکنات بڑی باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں۔ لیکن رزق کے جن سرچشموں کو بہتے پانی کی طرح کھلا رہنا چاہیئے تھا انہیں بند لگا لگا کر روک لیتے ہیں تاکہ وہ انہی کے لئے مخصوص ہو جائیں اور دوسرے انسان ان سے متمتع نہ ہو سکیں۔ تم نے دیکھا سلیم! قرآن کس طرح معاش سے صلوٰۃ اور صلوٰۃ سے معاش کی طرف رجوع کرتا ہے؟ پہلے اس لئے تکذیبِ دین کے سلسلہ میں یتامیٰ و مساکین کی بات چھیڑی تو اس سے مصلین کا ذکر سامنے لے آیا۔ اس کے بعد مصلّین کی غلط روش کا ذکر کیا تو اس سے يَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ کا معاشی پہلو نکل آیا۔ اس طرح یہ حقیقت سامنے آ گئی کہ صلوٰۃ اور معاش میں کس قدر گہرا تعلق ہے اور تکذیبِ دین کرنے والے وہ مصلین ہیں جو صلوٰۃ کے رسوم و ظواہر کے پابند تو ہوتے ہیں لیکن معاشی نظام کو قوانینِ خداوندی کے تابع نہیں رکھتے۔ اسی سے تم نے یہ بھی دیکھا کہ قرآن کریم کی آیات کس قدر مربوط ہیں۔ لیکن یہ ربط و نظم اسی صورت میں سمجھ میں آ سکتا ہے کہ انسان کے سامنے دین کا وہ مرکزی تصور (CENTRAL IDEA) ہو جسے قرآن بطور اصل الاصول کے پیش کرتا ہے۔ اس تصور کی روشنی میں صاف نظر آ جاتا ہے کہ قرآن کی تمام آیات کس طرح اسی محور کے گرد گردش کرتی ہیں۔ لیکن اگر اس کا یہ مرکزی تصور سامنے نہ ہو تو پھر اس میں کوئی ربط و نظم دکھائی نہیں دیتا۔ یہ جو تم نے اکثر لوگوں سے سنا ہوگا کہ قرآن میں (معاذ اللہ) کوئی ربط نہیں تو اس کی وجہ یہی ہے۔ ورنہ خدا کی کتاب اور بے ربط!

ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیئے!

ان حضرات سے کون کہے کہ

محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا　　یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

تم نے دیکھ لیا سلیم! کہ قرآن نے کن لوگوں کے متعلق کہا ہے کہ وہ تکذیبِ دین کرتے ہیں۔ اب یہ دیکھو کہ وہ اس مرکزی خیال کی توضیح و تشریح مختلف مقامات پر کس انداز سے کرتا ہے۔ قرآن کا انداز یہ ہے کہ وہ ایک جگہ ایک بات کو بطور اصول بیان کرتا ہے۔ اور پھر دوسرے مقامات پر اس کی تشریح کرتا ہے۔ کبھی اس کے مطابق مثالوں اور تشبیہوں سے اور کبھی اس کی ضد سے۔

اہلِ جہنّم

سورۂ مدثّر میں ہے کہ اہلِ جنت، اہلِ جہنم سے پوچھیں گے کہ: مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ (۷۴/۴۲) تمہارا وہ کونسا جرم تھا جو تمہیں جہنم میں کھینچ لایا؟۔ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ (۷۴/۴۳-۴۴) وہ جواب دیں گے کہ ہم "مصلّین" میں سے نہیں تھے۔ یعنی (اور) ہم مساکین کے کھانے کا انتظام نہیں کیا کرتے تھے۔ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ۔ (۷۴/۴۵) البتہ ہم باتیں بہت بنایا کرتے تھے۔ بلند آہنگ دعاوی کیا کرتے تھے۔ جاذبِ نگاہ پلان بنایا کرتے تھے۔ امید افزا اسکیمیں تیار کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد ہے:۔

وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ (۷۴/۴۶)

اور اس طرح ہم دین کی تکذیب کیا کرتے تھے۔

دیکھا تم نے سلیم! وہی صلوٰۃ (مصلّین) اور طعام المسکین کا ذکر اور وہی تکذیبِ دین! یہاں دین کے بجائے یوم الدّین آیا ہے۔ یوم کے معنی ہیں۔ زمانہ یا دور (TIME; AGE; PERIOD) یعنی وہ دور جس میں نظامِ خداوندی متشکل ہو کر سامنے آجائے۔ جس میں انسانی اعمال اپنے نتائج کو محسوس پیکروں میں سامنے لے آئیں جس میں مکافاتِ عمل کا قانون ایک حقیقت ثابتہ بن کر نظر آنے لگ جائے۔ ان جہنمیوں کا کہنا یہ ہوگا کہ ہم ان لوگوں میں شامل نہیں تھے جو صلوٰۃ کی حقیقت پر نگاہ رکھ کر، قیامِ صلوٰۃ پر عمل پیرا ہوتے تھے۔ اور اس طرح ایسا نظام قائم کرتے تھے جس میں مساکین کے رزق کا انتظام بحسن و خوبی ہو جائے۔ یوں ہم دین کے نظام کی عملاً تکذیب کرتے تھے۔ یعنی اپنی روش سے دنیا پر یہ ثابت کر دیتے تھے کہ یہ دعویٰ کہ صلوٰۃ کے ذریعہ ایسا نظام عمل میں آسکتا ہے جس میں معاشی مسائل کا اطمینان بخش حل مل جائے جھوٹا ہے۔

ناپ تول پورا نہ کرنے والے

يُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ۔ سورۂ تطفیف کا تو آغاز ہی اس موضوع سے ہوتا ہے۔ ارشاد ہے:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ۔ ان لوگوں کے لئے تباہی ہے جو معاشی معاملات میں توازن قائم نہیں رکھتے بلکہ دوسروں کے حقوق و واجبات میں کمی کر دیتے ہیں۔ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ (۸۳/۱-۳) یعنی وہ لوگ جب دوسروں سے لیتے ہیں تو پورے ماپ سے لیتے ہیں۔ لیکن جب دوسروں کو دیتے ہیں تو ماپ اور وزن میں کمی کر

دیتے ہیں۔ تم نے دیکھا سلیم! قرآن نے سرمایہ دار طبقہ کی روش اور ذہنیت کو کیسے جامع انداز میں بیان کیا ہے؟ مال تول پرانے زمانے کے پیمانوں اور ترازوؤں کے ذریعے ہو یا دورِ حاضرہ کی اقتصادی اسکیموں کے ذریعہ، ذہنیت ہر جگہ وہی کارفرما ہے۔ اس کے بعد چند آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ ان کی اس روش کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اور پھر، وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ۔ اس دور میں (يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ ۸۳/۶) جب تمام نوعِ انسانی خدا کی عالمگیر ربوبیت کے لئے اٹھ کھڑی ہوگی) ان مکذبین (تکذیب کرنے والوں) کے لئے تباہی ہوگی۔ اَلَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ (۸۳/۱۱-۱۰) یعنی ان لوگوں کے لئے جو یوم الدین کی تکذیب کرتے تھے۔

دیکھا تم نے سلیم! یہاں بھی مکذبین انہیں کہا گیا ہے جو معاشی نظام کو عدل کی بنیادوں پر استوار نہیں کرتے۔

(۰)

تصدیقِ دین

یہ تو ہوا تکذیبِ دین کا بیان۔ اب یہ دیکھو کہ وہ اس کے مقابلہ میں "تصدیقِ دین" کو سامنے لاکر کس طرح اس حقیقت کی وضاحت کرتا ہے۔ یعنی اس نے اوپر یہ بتایا تھا کہ تکذیبِ دین کون کرتا ہے اور اب یہ بتائے گا کہ تصدیقِ دین کون کرتا ہے۔ ذرا غور سے سنو کہ قرآن اس باب میں کیا کہتا ہے۔ سورۂ معارج میں ہے کہ: كَلَّا نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى (۷۰/۱۶) جہنم آوازیں دے دے کر بلاتی ہے۔ کسے بلاتی ہے؟ ——— اسے جو سیدھے راستہ سے منہ پھیر کر چل دیتا ہے یا اس سے گریز کی راہیں نکالتا ہے۔ یہ تو اصولی بات ہوئی۔ اس کے بعد اس اصول کی تشریح سامنے آتی ہے۔ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى۔ یہ وہ ہے جو دولت جمع کرتا ہے اور پھر تھیلی کا منہ کس کر باندھ دیتا ہے کہ یہ مال کسی اور کے کام نہ آسکے۔ دوسری جگہ ہے۔ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ (۱۰۴/۲) جو مال جمع کرتا ہے اور پھر اُسے گنتا رہتا ہے کہ کتنا ہوگیا، اور اس میں کتنا اور ڈالا جائے۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ کسی خاص شخص کی بات نہیں ہے۔ انسان اگر وحی کی راہ نمائی کے پیچھے نہ چلے تو اس کی حالت بالعموم یہ ہوتی ہے کہ وہ بہت بے صبرا اور حریص ہو جاتا ہے۔ اس کا کبھی پیٹ نہیں بھرتا۔ (اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا۔ ۷۰/۱۹) اس ذہنیت کا نتیجہ یہ ہے کہ: اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا (۷۰/۲۱-۲۰) جب اس پر مصیبت آتی ہے تو واویلا مچانے لگ جاتا ہے اور جب اسے مال و دولت مل جاتا ہے تو اسے روک کر بیٹھ جاتا ہے اور کبھی نہیں سوچتا کہ جس طرح اسے تنگدستی کے زمانے میں مال کی ضرورت تھی، اسی طرح اس مال کی ضرورت ان لوگوں کو ہے جو اس وقت تنگدست ہیں (یہ وہی کیفیت ہے جسے سورۂ ماعون میں: وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ سے تعبیر کیا گیا ہے۔) اس کے بعد قرآن بتاتا ہے کہ اس کا علاج کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس قسم کی ذہنیت سے صرف مصلّین ہی بچ سکتے ہیں۔ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ۔ (۷۰/۲۳-۲۲)

وہ مصلّین جو صلوٰۃ کی مداومت کرتے ہیں یعنی یہ نہیں کہ کسی معاملہ میں قانون خداوندی کے مطابق فیصلہ کر لیا اور کسی میں اس کے خلاف چل پڑے۔ یا کبھی ان قوانین کا اتباع کر لیا اور کبھی ان سے گریز کی راہیں تراشنی شروع کر دیں۔ مصلّین وہ ہیں جو اس صحیح روش کو اختیار کر کے استقامت اور استقلال سے اس پر جمے رہتے ہیں۔

تم نے دیکھا سلیم! کہ ابتداء میں بات خالص معاشی مسئلہ کے متعلق ہو رہی تھی (کہ انسان کی عام ذہنیت یہ ہے کہ وہ مال و دولت سمیٹتا چلا جاتا ہے اور اس سے اس کا جی ہی نہیں بھرتا) اور اس کے بعد فوراً مصلّین کا ذکر آ گیا۔ اس سے پھر یہ واضح ہو گیا کہ قرآنی نظام میں معاش اور صلوٰۃ کا کس قدر گہرا تعلق ہے۔ اب یہ دیکھئے کہ مصلّین کے بعد خدا کیا کہتا ہے — وہ کہتا ہے، وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (۷۰/۲۴) یعنی وہ لوگ جن کے مال و دولت میں سائل اور محروم کا حق ہے اور حق بھی مبہم نہیں بلکہ واضح اور معلوم۔ سائل اسے کہتے ہیں جس کی ضروریات کے پورا ہونے میں کمی رہ جائے اور محروم اسے کہتے ہیں جو اپنی ضروریات پورا کرنے کے بالکل قابل نہ ہو۔ پھر یہ حقیقت بھی قابلِ غور ہے کہ قرآن یہ نہیں کہتا کہ دولت مند، محتاجوں۔ مفلسوں کو خیرات کے طور پر کچھ دے دیں۔ بالکل نہیں۔ خیرات پر زندگی بسر کرنا انسان کی انتہائی ذلت ہے، اور احترامِ آدمیت کے منافی۔ قرآن گداگروں کی جماعت نہیں پیدا کرتا۔ اس لئے اس نے کہا ہے کہ صلوٰۃ کے نظام میں ہر محتاج و محروم اپنے لئے سامانِ زیست اور اسبابِ نشوونما بطور استحقاق (AS OF RIGHT) حاصل کرتا ہے۔ یہ نہ خیرات ہے، نہ کسی کا ان پر احسان۔ اسی لئے قرآن نے دوسری جگہ کہا ہے کہ جن کے پاس فاضل دولت ہے وہ اسے اپنے زیردستوں کی طرف لوٹا کیوں نہیں دیتے؟ (فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰي مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ ۱۶/۷۱) یعنی یہ فاضل دولت درحقیقت ان کا حق ہے جنہیں اس کی ضرورت ہے۔ اس لئے اسے ان کی طرف لوٹا دینا چاہیئے۔

آگے بڑھنے سے پہلے ان آیات کا ترجمہ ایک بار پھر سامنے لے آؤ جو اوپر درج کی جا چکی ہیں۔

یعنی:

جہنم اس شخص کو آوازیں دے دے کر بلاتی ہے جو یا تو سیدھے راستے سے منہ پھیر کر چل دیتا ہے اور یا اس سے گریز کی راہیں نکالتا ہے۔

یعنی اس شخص کو جو مال جمع کرتا ہے اور پھر اسے کس کر باندھ رکھتا ہے۔

یہ اس لئے کہ انسان جب اپنی مفاد پرستوں کے پیچھے چلتا ہے تو اس کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ جب اس پر مصیبت آتی ہے تو وہ واویلا مچاتا ہے۔ اور جب مال و دولت کی فراوانی ہوتی ہے تو اسے سمیٹ کر رکھ لیتا ہے۔

لیکن اس ذہنیت سے مصلّین بچے رہتے ہیں۔ وہ لوگ جو اپنی صلوٰۃ پر مداومت سے قائم رہتے ہیں۔

یعنی وہ لوگ جن کے مال و دولت میں محتاجوں اور محرومیوں کا حق معلوم ہوتا ہے۔

اور اس کے بعد ہے:۔

وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ۔ (۷۰/۲۶)

یہ وہ لوگ ہیں جو یوم الدین کی تصدیق کرتے ہیں۔

تم نے دیکھا سلیم! کہ قرآن کس طرح تصریفِ آیات (آیات کو پھیر پھیر کر لانے) سے اپنی مرکزی تعلیم کی وضاحت کرتا ہے۔ پہلے اس نے بتایا تھا کہ دین کی تکذیب کون کرتے ہیں اور اب بتایا کہ اس کی تصدیق کون کرتے ہیں۔ اس تفصیل کو اس نے سورۃ القیامۃ کی دو مختصر سی آیات میں سمیٹ کر رکھ دیا ہے۔ (جو پہلے بھی لکھی جا چکی ہیں اور) جن میں کہا گیا ہے کہ دردناک عذاب میں مبتلا وہ ہوتا ہے جو

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى۔ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى (۷۵/۳۱-۳۲)

جو نہ تصدیق کرتا ہے اور نہ قانونِ خداوندی کے پیچھے چلتا ہے۔ بلکہ وہ تکذیب کرتا ہے۔ اور اس راستے سے گریز کی راہیں نکالتا ہے۔ تکذیب کرنے والے اور گریز کی راہیں نکالنے والے کے لئے قرآن نے فرعون کو بطورِ مثال پیش کیا ہے جس کے عہد میں ملوکیت (فرعون) پیشوائیت (ہامان) اور سرمایہ داری (قارون) بیک وقت جمع تھیں۔ چنانچہ سورۂ طٰہٰ میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے فرعون سے کہا کہ

اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى (۲۰/۴۸) ہماری طرف یہ وحی ہوئی ہے کہ خدا کا عذاب اس پر ہوتا ہے جو تکذیب کرتا ہے اور گریز کی راہیں نکالتا ہے اور اس طرح زندگی کی صحیح روش سے پھر جاتا ہے۔

سورۂ لیل میں تکذیب و تصدیق کے تقابل کو ایک اور انداز میں نمایاں کیا گیا ہے۔ فرمایا:۔

اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى (۹۲/۴) یہ حقیقت ہے کہ دنیا میں مختلف لوگوں کی تگ و تاز کا رخ مختلف سمتوں میں ہوتا ہے۔ لیکن اگر ان تمام سمتوں کو سمٹایا جائے تو اصولی طور پر دو قسموں میں تقسیم ہو جائیں گی۔ یہ دو سمتیں اور ان کے نتائج یہ ہیں۔ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى۔ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى (۹۲/۵-۶) سو جو شخص دوسروں کو دے گا اور تقویٰ شعار بن جائے گا اور

دینے والے

اس طرح ہمواریاں پیدا کرنے والے دین کی تصدیق کرے گا۔

فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى (۹۲/۷) تو ہم اس پر فراخیوں کی راہ آسان کر دیں گے۔

اس کے برعکس

وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى۔ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى (۹۲/۸-۹) جو شخص سب کچھ سمیٹ کر اپنے لئے رکھ لے گا اور اپنے آپ کو معاشرے سے مستغنی سمجھ لے گا۔ یعنی یہ خیال کرے گا کہ میرے پاس اس قدر مال و دولت ہے اس لئے مجھے دوسروں کی کیا محتاجی ہے۔ میں ان کی کیا پرواہ کرتا ہوں۔ اور اس طرح ہمواریاں پیدا کرنے والے دین کی تکذیب کرے گا۔

فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى (۹۲/۱۰) تو ہم اس پر تنگدستی کے راستے کشادہ کر دیں گے۔

وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّىٰ (۹۲/۱۱) اور جب اس کی تباہی کا وقت آئے گا تو اس کا مال و دولت اس کے کسی کام نہ آسکے گا۔ یہ اُسے اس تباہی سے کبھی نہیں بچا سکے گا جو اس کی سرمایہ دارانہ روش کا لازمی نتیجہ ہے۔

وہ اس روش کو اس لئے اختیار کرتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ انسان کو اپنے مال و دولت کے معاملہ میں اپنی مرضی اور اپنے فیصلوں کے مطابق ہی چلنا چاہیئے۔ لیکن یہ غلط ہے۔ اس باب میں انسان کو وحیٔ خداوندی کے تابع چلنا چاہیئے۔

إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ (۹۲/۱۲) راہ نمائی دینا ہمارا کام ہے اس لئے کہ انسان ہمیشہ اپنی ذاتی مصلحت اور پیش پا افتادہ مفاد ہی کو سامنے رکھتا ہے اور مستقبل پر اس کی نگاہیں نہیں ہوتیں۔ اس کے برعکس

وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ (۹۲/۱۳) ہمارے سامنے حال بھی ہوتا ہے اور مستقبل بھی۔ ہمارے پیش نظر اس کی طبعی زندگی کی نشوونما بھی ہوتی ہے اور اس کے بعد کی زندگی کی بالیدگی بھی۔ انسان کے سامنے صرف اپنا مفاد ہوتا ہے۔ اور ہمارے سامنے پوری نوعِ انسانی کا مفادِ کلی۔

عقلِ خود بیں غافل از بہبودِ غیر — سودِ خود بیند نہ بیند سودِ غیر
وحیٔ حق بینندۂ سودِ ہمہ — در نگاہش سود و بہبود ہمہ

جو شخص (یا نظام) مفادِ خویش ہی کو مقصودِ حیات سمجھتا ہے اس کا انجام تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

فَأَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّىٰ (۹۲/۱۴) سو میں تمہیں اس شعلہ انگیز آتشِ سوزاں سے متنبہ کرتا ہوں جو سب کچھ تباہ کر کے رکھ دیا کرتی ہے۔

لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ (۹۲/۱۶) اس میں صرف وہی داخل ہوتا ہے جو شقی ہوتا ہے۔ یعنی وہ جو تکذیب کرتا ہے اور گریز کی راہیں نکالتا ہے۔ اس کے برعکس:

متقی کون ہے؟

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى (۹۲/۱۸) اس سے اُسے محفوظ رکھا جاتا ہے جو متقی ہو۔ اب سوال پیدا ہوا کہ متقی کسے کہتے ہیں۔ اس کا جواب اگلی آیت میں دے دیا۔

الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ (۹۲/۱۸) یعنی وہ جو اس لئے مال دیتا ہے کہ اس سے (اس کی اپنی ذات کی اور دیگر افرادِ انسانیہ کی) نشوونما ہو سکے۔

تم نے دیکھا سلیم! کہ ان آیات سے دیگر امور کے علاوہ متقی کا مفہوم بھی کس طرح واضح ہو گیا۔ یعنی متقی بھی وہ ہے جو اپنا مال دوسروں کی نشوونما کے لئے دیتا ہے۔ اور اس طرح اس کی اپنی ذات کی نشوونما ہو جاتی ہے۔ یہاں بھی دیکھو کہ تقویٰ اور معاشی معاملات کا کس قدر گہرا تعلق ہے۔

جو لوگ تقویٰ اور "تزکیۂ نفس" کا کچھ اور مفہوم سمجھتے ہیں۔ اور ان کا تعلق "روحانیت" (یعنی ان کی مصطلحہ روحانیت) سے قرار دیتے ہیں، ان کے متعلق دوسرے مقام پر فرمایا۔ فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ (۵۳/۳۲) تم اپنی ذات کی نشوونما (تزکیہ) کا فیصلہ خود ہی (اپنے معیاروں کے مطابق) نہ کرنے بیٹھ جاؤ۔ اسے بہترین طور پر خدا ہی جانتا ہے اور وہی بتا سکتا ہے کہ متقی کسے کہتے ہیں۔ متقی اسے کہتے ہیں۔ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ (۹۲/۱۸) جو اپنا مال دوسروں کی نشوونما کے لئے دیتا ہے اور اس طرح اس کی ذات کا تزکیہ ہوتا جاتا ہے۔ اس کے برعکس وہ کہتا ہے۔ أَفَرَأَيْتَ الَّذِي تَوَلَّىٰ (۵۳/۳۳) کیا تو نے اس شخص کو بھی دیکھا ہے جو گریز کی راہیں نکالتا ہے۔ یعنی وہ شخص

وَأَعْطَىٰ قَلِيلًا وَأَكْدَىٰ (۵۳/۳۴) جو مرتا بھرتا کچھ دیتا بھی ہے تو بہت تھوڑا سا دیتا ہے اور پھر پتھر کی طرح سخت ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔

متقی کون نہیں؟

سورۂ لیل میں تم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ قرآن نے اتقیٰ (متقی) کے مقابلہ میں اشقیٰ (شقی) کو پیش کیا ہے جس کے متعلق کہا ہے کہ وہ جہنم کے تباہ کن عذاب میں مبتلا ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ شقاوت کسے کہتے ہیں۔ قرآن نے سورۂ طٰہٰ میں بڑے واضح الفاظ میں اس کی تشریح کی ہے۔ اس کی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی ہے کہ مَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ (۲۰/۲) ہم نے قرآن کو اس لئے نازل نہیں کیا کہ تو شقاوت میں مبتلا ہو جائے۔ شقاوت کے معنی ہیں سعادتوں سے محروم رہ جانا۔ جگر پاش مشقتوں میں مبتلا ہو جانا۔ لہٰذا اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو قوم قرآن کے مطابق زندگی بسر کرے گی وہ کبھی زندگی کی سعادتوں سے محروم نہیں رہے گی اور اسے جگر سوز مشقتوں کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زندگی کی سعادتیں کیا ہیں اور جگر پاش مشقتیں کسے کہتے ہیں۔ اس کی تشریح آگے چل کر قصۂ آدم کے تمثیلی انداز میں اس طرح کر دی کہ آدم جنت میں تھا جہاں اس کی زندگی اس نہج سے گذر رہی تھی کہ اسے نہ بھوک کا خوف تھا نہ پیاس کا۔ نہ لباس کی فکر تھی نہ مکان کی۔ یہ سب ضروریاتِ زندگی نہایت آسانی سے اور بافراط (رَغَدًا) پوری ہوتی چلی جاتی تھیں۔ (إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَضْحَىٰ (۲۰/۱۱۸-۱۱۹) اس کے بعد ہے کہ ہم نے آدم سے کہہ دیا کہ دیکھنا! تم نے کہیں اس راستے کو چھوڑ کر ابلیس کی راہ اختیار نہ کر لینا۔ اگر تم نے ایسا کیا تو یہ تمہیں اس جنت سے نکال دے گا۔ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ (۲۰/۱۱۷) تو اس سے کیا ہوگا۔ فَتَشْقَىٰ (۲۰/۱۱۷) تو اس کا نتیجہ شقاوت ہوگا۔ یعنی تو ان تمام چیزوں سے محروم ہو جائے گا جو تمہیں اس وقت فراوانی سے حاصل ہیں۔ اور ان کے حصول کے لئے تمہیں جگر پاش مشقتیں اٹھانی پڑیں گی۔

اس کے بعد ہے آدم ابلیس کے فریب میں آگیا اور اس طرح اس زندگی کی آسائشوں سے محروم ہو گیا۔ اس پر آدم سخت مایوس اور افسردہ خاطر ہو گیا۔ اس نے خدا سے کہا کہ کیا اب اس کے لئے اس پہلی

(جنتی) زندگی کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوئی صورت نہیں؟ جواب ملا کہ مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں۔ وہ تمام فراوانیاں اور آسائشیں تمہیں پھر سے حاصل ہو سکتی ہیں بشرطیکہ تم (اپنے خیالات کا اتباع چھوڑ کر) ہماری راہ نمائی کے پیچھے پیچھے چلو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ: فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى (۲۰/۱۲۳) نہ تیری محنت رائیگاں جائے گی۔ اور نہ ہی تو شقاوت میں پڑے گا۔ اس کے برعکس وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا (۲۰/۱۲۴) جو شخص ہمارے ضابطۂ قوانین سے پہلوتہی کرے گا تو اس کی روزی تنگ ہو جائے گی اور صرف یہی نہیں کہ اس کی یہاں کی روزی تنگ ہو جائے گی بلکہ وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أَعْمٰى (۲۰/۱۲۴) اسے ہم قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔

تم نے دیکھا مسلیم! کہ اتقیٰ کے مقابلہ میں جو اشقیٰ آیا ہے اس میں اشقیٰ کے معنی کیا ہیں! یعنی وہ جو زندگی کی بنیادی ضروریات تک سے محروم ہو۔ اور اس کے لئے اسے جگر سوز مشقتیں اٹھانی پڑیں۔ لہٰذا متقی وہ ہے جسے زندگی کی تمام ضروریات اور سعادتیں بافراط میسر ہوں اور وہ اپنی محنت کی کمائی کو دوسروں کی نشوونما کے لئے کھلا رکھے۔

(۰)

ان تصریحات سے تم نے دیکھ لیا کہ قرآن کی رُو سے صلوٰۃ اور معاشی معاملات میں کتنا گہرا تعلق ہے۔ اور اسی سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ صلوٰۃ صرف اس نماز تک ہی محدود نہیں جو مسجد کی چار دیواری کے اندر ادا کی جاتی ہے بلکہ اس کا دائرہ انسان کی پوری زندگی کو محیط ہے۔ صلوٰۃ اس نظام کا نام ہے جس میں تمام افرادِ معاشرہ قوانینِ خداوندی کے پیچھے چلتے ہیں اور اس کے وقتی اجتماعات اس نظام کا ایک حصہ ہیں۔ اس سے تمہاری سمجھ میں یہ بات بھی آجائے گی کہ قرآن نے جو کہا ہے کہ: إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ (۲۹/۴۵) صلوٰۃ فحشاء اور منکر سے روک دیتی ہے: تو اس کا مفہوم کیا ہے؟

فحشاء و منکر

فحشاء کے معنی ہیں بخل اور منکر کے معنی ہیں عقلِ فریب کار کی حیلہ تراشیاں جن کی رو سے انسان سب کچھ اپنے لئے ہی سمیٹ کر رکھ لینا چاہتا ہے۔ اس ذہنیت اور اس روش سے انسان صرف نظامِ صلوٰۃ کی رو سے رک سکتا ہے۔ یہ آیت درحقیقت سورۂ معارج کی ان آیات ہی کی تفسیر ہے، جو پہلے گذر چکی ہیں اور) جن میں کہا گیا ہے کہ

إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا۔ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا۔ إِلَّا الْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ۔ (۷۰/۱۹-۲۳)

اور انہی تصریحات سے یہ حقیقت بھی تمہارے سامنے آگئی کہ دین کی تکذیب کون کرتا ہے؟ دین کی تکذیب وہ کرتا ہے۔ جو (سورۂ ماعون کے الفاظ میں)

یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کے کھانے کا بندوبست نہیں کرتا۔ سو ایسے مصلین کے لئے تباہی ہے جو صلوٰۃ کی حقیقت سے بے خبر ہیں جو نماز کے ظاہرا ارکان و اجزاء ہی کو حقیقی

صلوٰۃ سمجھ لیتے ہیں اور عملاً ان کی روش یہ ہوتی ہے کہ رزق کے ان سرچشموں کو جو تمام انسانوں کے لئے یکساں طور پر کھلے رہنے چاہئیں اپنے لئے روک رکھتے ہیں۔

(۔)

یوم الدین

ممکن ہے بعض لوگ اس پر اصرار کریں کہ آیت (۴/۱۰۷) میں جو پہلے گذر چکی ہے ۔۔ "یوم الدین" کا ترجمہ "جزا و سزا کا دن" ہی کرنا چاہیئے۔ لیکن جو حقیقت پچھلے صفحات میں سامنے آچکی ہے، اس کی رُو سے اس ترجمہ سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ "جزا و سزا کا دن" کے معنی ہوں گے "جب خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق انسانی اعمال کے نتائج محسوس شکل میں سامنے آجائیں"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کا یہ اٹل قانون ہے کہ ہر انسانی عمل۔ ہر روشِ زندگی ایک خاص نتیجہ پیدا کرتی ہے۔ خدا کی متعین کردہ روش کا نتیجہ زندگی کی آسودگیاں اور خوش حالیاں ہیں۔ اس کے خلاف چلنے کا انجام تباہی اور بربادی ہے۔ جو شخص ذاتی مفاد پرستی کی روش اختیار کر لیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کا نتیجہ تباہی اور بربادی نہیں ہوگا، وہ خدا کے قانونِ مکافات کی تکذیب کرتا ہے۔ وہ عملاً یہ کہتا ہے کہ نہیں! یہ غلط ہے کہ اس روش کا نتیجہ تباہی اور بربادی ہوگا۔ یہ ہے وہ شخص جو تکذیبِ دین یا تکذیب یوم الدین کرتا ہے۔ قرآن نے واضح الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ جو قوم اس قسم کی روش اختیار کرے گی۔ جو اس قسم کا معاشی نظام قائم کرے گی اسے استحکام اور بقا نصیب نہیں ہوگی۔ وہ مٹ جائے گی۔ اور اس کی جگہ وہ قوم لے لیگی۔ جس کا تصورِ حیات اس کی پہلی قوم سے مختلف ہوگا اور وہ ان جیسا معاشی نظام قائم نہیں کرے گی۔ سورۂ محمدؐ میں ہے۔ هَٰأَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ تُدْعَوْنَ لِتُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔ تم وہ ہو کہ تمہیں اس کی دعوت دی جاتی ہے کہ تم اپنے مال و دولت کو انسانی فلاح و بہبود کے لئے کھلا رکھو۔ فَمِنكُم مَّن يَبْخَلُ۔ سو تم ہی سے وہ لوگ ہیں جو اس روش کو اختیار کرنے کی بجائے بخل کی روش اختیار کر لیتے ہیں جس میں انسان سب کچھ اپنے لئے سمیٹ کر دوسروں کو اس سے محروم رکھنا چاہتا ہے اور نہیں سمجھتا کہ وَمَن يَبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَن نَّفْسِهِ۔ جو دوسروں کو محروم رکھتا ہے وہ درحقیقت خود اپنی ذات کو نشو و نما سے محروم رکھتا ہے۔ اس سے خود اس کا نقصان ہوتا ہے اللہ کا کچھ نہیں بگڑتا۔ اس لئے کہ: وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنتُمُ الْفُقَرَاءُ۔ اللہ کسی کا محتاج نہیں، اور تم اپنی نشو و نما کے لئے اس کے محتاج ہو۔ یاد رکھو۔ وَإِن تَتَوَلَّوْا۔ اگر تم سیدھے راستے سے پھر گئے اور اس سے گریز کی راہیں تراشنی شروع کر دیں تو، يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُم (۴۷/۳۸) اس کا قانونِ مکافات تمہاری جگہ کوئی دوسری قوم لے آئے گا جو تمہاری جیسی نہیں ہوگی۔ یہ خدا کا اٹل قانون ہے اور جو سمجھتا ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا، سرمایہ داری کا نظام قائم و دائم رہ سکتا ہے اور اس غلط روش کے نتائج و عواقب کو نمازیں پڑھنے سے روکا جا سکتا ہے وہ

تکذیبِ دین

کرتا ہے۔ وہ خدا کے قانونِ مکافات کو جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ خدا نے قوموں کے عروج و زوال اور بقا اور فنا کے لئے جو قانون مقرر کر رکھا ہے وہ کبھی جھوٹا ثابت نہیں ہو سکتا۔

والسلام

پرویز

ستمبر ۱۹۵۶ء

———— (٠) ————

(پرویز صاحب کا یہ خط ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے صلوٰۃ۔ زکوٰۃ۔ معاشی نظام۔ تکذیب و تصدیقِ دین کے موضوعات پر بڑی تفصیل سے لکھا ہے جو حضرات اِن موضوعات کو تفصیل کے ساتھ سمجھنا چاہیں، وہ (کم از کم) ان کی تفسیر قرآن کے سلسلہ تزئین (مطالب الفرقان) کا مطالعہ فرمائیں جس کی اس وقت تک تین جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ ہم اس مقام پر صرف اتنی مزید وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ (جیسا کہ پرویز صاحب نے کہا ہے) قرآن کریم نے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو تکذیبِ دین کرتے ہیں۔ یعنی جو اسلام کو چھوڑ کر کوئی دوسرا مذہب اختیار نہیں کرتے بلکہ مسلمان کہلاتے ہوئے، ایسی روش اختیار کرتے ہیں جس سے غیر مسلم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اسلام کے یہ دعاوی کہ وہ نوعِ انسان کی جملہ مشکلات کا حل اپنے اندر رکھتا ہے، غلط ہے۔ اگر اس کا یہ دعوےٰ سچا ہوتا تو ان لوگوں کی حالت ایسی کیوں ہوتی جو اسلام کے مدعی ہیں۔

پھر اس نے کہا ہے کہ جو لوگ گریز کی راہیں نکالتے ہیں۔ ان کی جگہ خدا دوسری قوم لے آئے گا۔ "گریز کی راہیں" تراشنے سے مراد یہ ہے کہ وہ دین کی راہ سے انکار نہیں کرتے بلکہ ایسی روش اختیار کرتے ہیں جس سے بظاہر ایسا نظر آئے کہ وہ اسلام کا مقصد پورا کر رہے ہیں لیکن درحقیقت وہ اس راہ سے اعتراض برت رہے ہوں۔

خدا نے کہا ہے کہ وہ اس قسم کی روش اختیار کرنے والی قوم کی جگہ، دوسری قوم لے آئے گا جو ان جیسی نہیں ہوگی۔

ہم اربابِ بصیرت سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ غور کریں کہ کیا خدا کی اس وعید کا اطلاق ہم ہی پر تو نہیں ہوتا؟

———— (٠) ————

حقائق و عبر

۱۔ برکتوں کا مہینہ

رمضان المبارک کا مہینہ گزر گیا۔ اس پورے ماہ میں فضا اس قسم کے کلمات سے بھرپور رہی "یہ مہینہ بڑا مقدس ہے۔ اللہ کی رحمتوں کا مہینہ۔ اس کی برکتوں کا مہینہ۔ سعادتوں کا مہینہ بخشش اور مغفرت کا مہینہ۔ اس میں ایک ایک نیکی کا ثواب سو سو نیکیوں کے برابر ملتا ہے" ریڈیو ہو یا ٹی۔ وی۔ مسجد ہو یا منبر محفل ہو یا مجلس۔ اخبارات ہوں یا جرائد۔ ہر مقام اور ہر سمت سے یہ کلمات سنائی دیتے رہے۔

رمضان المبارک کی فضیلت بجا اور درست، لیکن ان کلمات کے پیش کرنے اور دہرانے والوں سے ایک بات دریافت طلب ہے۔ مذہب پرست طبقہ کے لئے یہ الفاظ فی الواقعہ وجہ صد سعادات و ہزار برکات ہیں۔ وہ انہیں سنتے ہیں تو ان کا اثر اپنے دل میں محسوس کرتے ہیں لیکن یہ ان کی عقیدت مندی کا نتیجہ ہے۔ انہیں اس سے غرض نہیں ہوتی کہ ان کلمات کا مفہوم کیا ہے اور یہ ماہِ مبارک کس طرح تقدس، برکت، رحمت اور مغفرت کا مہینہ قرار پاتا ہے۔ وہ اسے عقیدۃً مانتے ہیں اور عقیدہ نہ مفہوم و مقصود کا متقاضی ہوتا ہے نہ دلائل و براہین کا محتاج۔ جس قسم کا عقیدہ ہو انسان اسی قسم کا اثر اپنے دل میں محسوس کر لیتا ہے۔ یہ وجہ ہے جو دنیا کا اہلِ مذہب اپنے اپنے عقیدہ پر مطمئن ہوتا ہے۔ کل حزب بما لدیھم فرحون۔

لیکن ہمارے ہاں کا یہ طبقہ آہستہ آہستہ کم ہوتا جا رہا ہے اور ان کی جگہ ہمارا نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ لے رہا ہے ان کے دل میں محض یہ الفاظ کچھ اثر نہیں کرتے۔ وہ جاننا چاہتے ہیں کہ یہ مہینہ مقدس کس طرح سے ہے۔ خدا کی رحمتوں برکتوں کا مفہوم کیا ہے۔ یہ کس طرح معلوم ہو کہ اس میں فی الواقعہ ان رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا ہے اس کا عملاً ثبوت کیا ہے کہ اس ماہ میں ایک ایک نیکی کا ثواب، سو سو نیکیوں کے برابر ہوتا ہے۔ وہ تو یہاں تک بھی پوچھتے ہیں کہ ثواب ہوتا کیا ہے اور یہ کس طرح معلوم ہو کہ فلاں کام سے ثواب ہوتا ہے اور اتنا ثواب ہوتا ہے۔

تعلیم یافتہ نوجوان طبقہ کے دل میں یہ سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں سے کچھ تو انہیں زبان تک لے آنے کی جرأت کر لیتے ہیں، باقی انہیں یا تو دل میں دبائے رکھتے ہیں، اور یا ایسے مقام میں لب کشا ہوتے ہیں جہاں انہیں ڈانٹ پڑنے کا خطرہ نہ ہو۔ وہ ان سوالات کو لب تک لائیں یا نہ لائیں، ان کے دلوں کو یہ بہرحال وقفِ اضطراب رکھتے ہیں۔ لیکن ہمارے مذہب پرست طبقہ کو اس کا قطعاً احساس نہیں ہوتا کہ ان نوجوانوں کا اطمینانِ قلب کس قدر ضروری ہے۔ وہ ان کے اطمینان کا تو کچھ سوچتے نہیں لیکن ان سے اسلامی شعائر کے احترام کا تقاضا کرتے ہیں، اور نہیں سمجھتے کہ احترام تو مطمئن قلب سے ابھرنے والے جذبۂ تعظیم کا نام ہوتا ہے۔ یہی نہیں کہ اس کا احساس ہمارے قدامت پسند طبقہ کو نہیں۔ ہم نے دیکھا ہے کہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر ایسے حضرات بھی آتے رہے جن کا شمار

ملک کے دانشور طبقہ میں ہوتا ہے۔ وہ بھی ان کلمات کو، قدامت پرست طبقہ کی طرح دہراتے رہے اور کسی نے اس کی ضرورت نہ سمجھی کہ نوجوان طبقہ کو بتایا جائے کہ ان کا مفہوم کیا ہے۔ ہماری عملی زندگی سے ان کا تعلق کیا، اور اس تعلق کا محسوس اور مرئی ثبوت کیا ہے۔ ہمارے دانشور طبقہ سے اس کی توقع کرنا تو ایک طرف، دیکھا یہ گیا ہے کہ وہ مذہب کے میدان میں آتے ہیں تو قدامت پسند طبقہ سے بھی زیادہ قدامت پرست بلنے (بن کر دکھانے) کی کوشش کرتے ہیں (مثال کے طور پر) کوثر نیازی صاحب جب مرکزی حکومت میں وزیر تھے، تو انہوں نے جمعۃ الوداع کے موقعہ پر تقریر کرتے ہوئے اس کے فضائل کے سلسلہ میں فرمایا تھا کہ

> یہی وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے انسانِ اوّل، آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ یہی وہ دن ہے جس میں انہیں جنت میں داخل کیا گیا۔ یہی وہ دن ہے جس میں انہیں جنت سے نکل کر زمین پر بسنے کا حکم ملا۔ یہی وہ دن ہے جس میں قیامت قائم ہوگی۔ اور یہ وہ دن ہے جس میں ایک گھڑی ایسی آتی ہے کہ بندہ اس میں حرام چیز کے سوا، اپنے پروردگار سے جو کچھ طلب کرے وہ اسے عطا فرما دیتا ہے۔
>
> (نوائے وقت - ۲۶ اکتوبر ۱۹۷۳ء - بحوالہ طلوعِ اسلام مئی ۱۹۷۴ء)

اور اس کے بعد ان حضرات کو شکایت ہوتی ہے کہ نوجوان طبقہ مذہب سے بیگانہ ہی نہیں، متنفر ہوتا جا رہا ہے۔ سوچئے کہ اس کا ذمہ دار کون ہے؟

۲- یہ کون سے قرآن میں ہے؟

کراچی کے روزنامہ جنگ کی ۱۱ جولائی ۱۹۸۰ء کی اشاعت میں حسبِ ذیل خبر شائع ہوئی ہے:-

> ایران کے اعلیٰ ترین جج، آیت اللہ بہشتی نے، گزشتہ ہفتے (۴) افراد کو سنگسار کر کے سزائے موت دینے کے طریقِ کار کو بالکل جائز اور درست قرار دیا۔ ان (۴) افراد کو تہران کے جنوب مشرق میں واقعہ شہر کرمان میں سنگسار کر دیا گیا تھا۔ ان میں سے دو طوائفیں تھیں۔ یہاں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے آیت اللہ بہشتی نے کہا کہ مجھے ان حالات کا پوری طرح علم نہیں جن میں کرمان کے جج نے یہ فیصلہ دیا۔ لیکن سنگسار کرنے کے طریقہ کی توثیق قرآن نے کی ہے اور سنگسار کئے جانے کا حکم جاری کرنے سے کسی عدالت کو نہیں روکا جا سکتا۔

قرآن مجید میں سنگسار کرنے کی سزا کی توثیق تو ایک طرف اس کا اشارہ تک نہیں۔ معلوم نہیں آیت اللہ بہشتی صاحب کے پاس کون سا قرآن شریف ہے؟ لیکن اتنی بڑی شخصیت کے اس دعوے کے بعد کہ قرآن سنگساری کی توثیق کرتا ہے غیر مسلموں کو کیا پڑی ہے کہ وہ تحقیق کرتے پھریں کہ قرآن فی الواقعہ ایسا کہتا ہے یا نہیں۔ وہ اسے حقیقت سمجھ لیں گے۔

۳- موت کی سزا پانے والے!

روزنامہ نوائے وقت بابت ۹ اگست ۱۹۸۰ء میں حسبِ ذیل خبر شائع ہوئی ہے:-

تہران ۸ اگست۔ آج مزید دس افراد کو کرمان شاہ میں گولی مارنے کے بعد ایران میں ان افراد کی تعداد تیرہ سو سے تجاوز کر گئی ہے جن کو ۱۲ فروری ۱۹۷۹ء کے بعد موت کی سزا دی گئی۔ ان میں سے زیادہ تر افراد کو منشیات، زنا اور چوری کے الزام میں گولی ماری گئی۔ ایک اندازے کے مطابق غیر سیاسی جرائم میں پانچ سو افراد کو پھانسی کی سزا ملی جب کہ بہت سے افراد ایسے بھی تھے جن پر بیک وقت کئی الزامات تھے جن میں سیاسی اور غیر سیاسی دونوں الزامات تھے۔ سیاسی جرائم میں زیادہ تر افراد وہ تھے جنہوں نے سابق شاہ کے دور میں ظلم و ستم کیا اور لوگوں پر گولیاں چلائیں۔

بی بی سی نے جو اعداد و شمار جمع کئے ہیں ان کے مطابق خمینی کو ہلاک کرنے اور حکومت کا تختہ الٹنے کے الزام میں ۴۹ افراد کو گولی ماری گئی جن میں سے زیادہ تر کا تعلق آرمی اور فضائیہ سے تھا۔ سابقہ حکومت کے دور کے دو سو دس فوجیوں کو گولی ماری گئی جب کہ نئے دور کے چار فوجی افسروں کو بھی موت کی سزا دی گئی۔ معزول شاہ کی خفیہ تنظیم ساواک کے ۷۰ افسروں کو پھانسی دی گئی اور ایک سو اکسٹھ افراد کو اس لئے موت کی سزا دی گئی کہ انہوں نے ملک کو اسلامی جمہوریہ بنانے کی مخالفت کی تھی بہت سے کرد باغیوں اور بائیں بازو سے تعلق رکھنے والے افراد کو بھی موت کی سزا دی گئی۔ گزشتہ اپریل میں یونیورسٹی میں ہنگامے کرانے والے بھی موت کی سزا پانے والوں میں شامل ہیں۔ کردستان میں ایک گروپ کے ایک سو بیس ارکان کو پھانسی دی گئی ان پر تیل کی پائپ لائن کو دھماکے سے اڑانے کا الزام تھا جب کہ اس گروپ کے ارکان نے گزشتہ برس کئی دینی رہنماؤں کو ہلاک کیا تھا۔

۴۔ ہم کو ان سے وفا کی ہے اُمید!

نوائے وقت بابت ۹ اگست ۱۹۸۰ء میں شائع شدہ ذیل کی خبر دلچسپی سے پڑھی جائے گی :۔

"جن دنوں "دیتانت" کا چرچا ابتدائی مراحل میں تھا ان دنوں روس نے "اظہار دوستی" کے لئے امریکہ والوں کے لئے ان کے قومی نشان عقاب کا ایک نہایت خوبصورت نمونہ سنگِ مرمر سے تراش کر ماسکو میں امریکی سفیر کی معرفت بھیجا۔ امریکی سفیر نے اسے اپنے دفتر میں نہایت نمایاں جگہ پر نصب کرا دیا لیکن جب احتساب کرنے والے عملے نے اس بیش قیمت تحفے کو جانچا پرکھا تو معلوم ہوا کہ اس عقاب کے پیٹ میں ایک نہایت حساس اور طاقتور ٹرانسمیٹر لگا ہوا ہے جو امریکی سفارت خانے میں ہونے والی ہر گفتگو کو روس کے محکمہ خارجہ تک پہنچا دیتا ہے۔ حکومت امریکہ نے اس "تحفہ دوستی" کو اقوامِ متحدہ کے بھرے اجلاس میں پیش کیا تو روسی نمائندے چپکے سے کھسک گئے۔

سچ ہے۔ ایسے کو تیسا ملے کر کر لمبے ہاتھ!

۵۔ سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے

یہ خبر بڑی عبرت ناک اور سبق آموز ہے :۔

"چین میں آنجہانی چیئرمین ماؤزے تنگ کی بڑی بڑی تصویروں اور ان کے مقولوں پر مشتمل بورڈوں کو ہٹانے کا کام جاری ہے۔ قومی عجائب گھر کے سامنے چیئرمین ماؤ کے ارشادات پر مبنی عمارت کی طرح بلند بورڈ تعمیر کیا گیا تھا مگر اب اسے جاپانی کرینوں کی مدد سے گرا دیا گیا ہے جب کہ تیان من سکوائر پر لگی ہوئی چیئرمین ماؤ کی بڑی تعداد میں تصویریں پہلے ہی غائب ہو چکی ہیں عظیم عوامی ہال کے شمالی دروازے پر لگے ہوئے ایک بڑے بورڈ کو بھی ہٹا دیا گیا ہے۔ جس پر یہ مقولہ درج تھا کہ "ہماری سوچ کو رہنمائی فراہم کرنے والی نظریاتی بنیادیں ہی مارکسزم اور لینن ازم" تاہم سابقہ شاہی محلات، جنہیں شہر ممنوعہ کہا جاتا ہے کے داخلی دروازے پر ابھی تک ان کی ایک بڑی تصویر آویزاں ہے۔ یہ تصویر بھی کئی روز پہلے اتار دی گئی تھی اور اب صاف کرنے کے بعد دوبارہ لگا دی گئی ہے۔

مبصرین کا خیال ہے کہ یہ اقدام پیکنگ کی موجودہ قیادت کی ان کوششوں کا حصہ ہے جو وہ اس سابق رہنما کی طرف سے عوام کے ذہنوں میں ڈالے گئے عقائد کو ختم کرنے کے لئے کر رہی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اقدام اس اعلان کا حصہ ہو جس میں کہا گیا تھا کہ ماؤ کی جانب سے کی گئی سیاسی غلطیوں پر بحث کا سلسلہ شروع کیا جائے گا۔ جن میں ثقافتی انقلاب بھی شامل ہے۔ مبصرین کے مطابق اسی ماہ کے آخر میں ہونے والی نیشنل پیپلز پارٹی کا مرکزی موضوع یہی ہے۔" (نوائے وقت، ۷ اگست ۱۹۸۰ء)

یہ وہی ماؤ ہے جس کی چار دن پہلے اسی چین میں پرستش ہوتی تھی۔ تاریخ اس حقیقت کی صداقت کا ثبوت بہم پہنچا رہی ہے کہ قرآن نے شخصیت پرستی کا خاتمہ کیوں کر دیا تھا، ابدی طور پر قابلِ اتباع صرف خدائے زندہ کی کتاب زندہ ہے ـــــ باقی بتانِ آذری۔

۶۔ رنگ جو کچھ دیکھتے ہو میرے پیمانے کا ہے

نوائے وقت بابت یکم اگست کی ایک خبر۔

صوبائی دارالحکومت میں آج قیامت خیز بارش سے عوام میں شدید خوف و ہراس پیدا ہو گیا اور صبح نو بجے کے قریب مساجد اور مکانات کی چھتوں پر چڑھ کر لوگوں نے اذانیں دینی شروع کر دیں اور تمام شہر اذانوں کی آوازوں سے گونج اٹھا۔ لوگوں نے خدا کے حضور اس عذاب سے نجات کے لئے دعائیں مانگیں۔ اذانوں کے بعد بارش کا زور ٹوٹ گیا اور رفتہ رفتہ بارش بالکل تھم گئی۔

اور دوسرے دن پھر اسی شدت سے شروع ہو گئی۔

خدا کی نازل کردہ بارش تو بارانِ رحمت ہی ہوتی ہے۔ وہ عذاب کا موجب ہمارے انتظامات کے نقص کی وجہ سے بنتی ہے۔

ہمارے ہاں قریب قریب ہر سال دریاؤں کی طغیانیوں یا بارشوں کی شدت سے سیلاب آتے رہتے ہیں۔ چونکہ اب یہ حوادث ہنگامی نہیں رہے، معمول سے بن گئے ہیں، اس لئے ضرورت ہے کہ ان کے سدباب کے لئے مستقل انتظامات سوچے جائیں۔ قرآن کریم میں داستانِ حضرت نوحؑ کے سلسلے میں جو کہا گیا ہے کہ انہوں نے سیلاب کی آمد سے پہلے کشتی بنالی تھی، تو اس میں ہمارے لئے یہی سبق ہے۔

۷۔ اس قتلِ ناحق کی سزا کس کو ملے گی ؟

اس خبر کو کلیجہ تھام کر پڑھئے۔

اوکاڑہ چھاؤنی۔ ایبٹ آباد کی رہنے والی (محترمہ) رُخ تاج بی بی' بدھ کے روز یہاں دم توڑ گئی کیونکہ اسے پیاس بجھانے کے لئے ایک قطرۂ آب نہ مل سکا۔ وہ اپنے کچھ عزیزوں کے ہمراہ کراچی سے اپنے گھر جا رہی تھی۔ جب وہ اوکاڑہ پہنچی تو وہ پیاس سے نڈھال ہو رہی تھی۔ اس نے پانی مانگا لیکن ریلوے اسٹیشن پر پانی کا ایک قطرہ بھی نہ تھا جس سے اس کی جان بچائی جا سکتی۔ وہ پیاس کی وجہ سے بیہوش ہو گئی اور کچھ وقت کے بعد' پانی۔ پانی کہتے جان دے دی۔ اسے مقامی قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔

(دی مسلم۔ راولپنڈی ۸ رجولائی ۱۹۸۰ء)۔

اس جانکاہ خبر پر کسی جانب سے کوئی تبصرہ ہماری نظروں سے نہیں گذرا۔ آہ! غریب کی موت

۸۔ اعترافِ حقیقت

اخبارات میں حسب ذیل خبر شائع ہوئی ہے :۔

احمدیوں کی ہائی کمان نے اپنے مقلدین کو ہدایت کی ہے کہ ان کے اکاؤنٹس سے جو رقم بطور زکوٰۃ وصول کی گئی ہے وہ متعلقہ حکام کو اس کی واپسی کے لئے باقاعدہ درخواستیں دیں، یاد رہے کہ گزشتہ ماہ صدر جنرل محمد ضیاء الحق کی طرف سے زکوٰۃ اور عشر آرڈیننس کے اجراء کے بعد ان تمام افراد کے حساب سے زکوٰۃ کی رقم کاٹ لی گئی تھی جن کے نام مسلمانوں جیسے تھے۔ چنانچہ احمدیوں کے حساب سے بھی زکوٰۃ کی رقم کاٹ لی گئی۔ ہائی کمان نے مقلدین کو یہ ہدایت بھی کی ہے کہ متعلقہ پٹواریوں کی معرفت اعلیٰ حکام کو مطلع کر دیں کہ وہ عشر بھی ادا نہیں کریں گے کیونکہ زکوٰۃ اور عشر کا اطلاق صرف مسلمانوں پر ہوتا ہے۔ (روزنامہ نوائے وقت ۲۸ رجولائی ۱۹۸۰ء) (بحوالہ ایشیا۔ ۳ راگست ۱۹۸۰ء)

یہ اعلان' ربوہ کی احمدیوں کی طرف سے شائع ہوا ہے۔

۹۔ یورپ میں تبلیغِ اسلام !

نوائے وقت (بابت ۱۸ راگست ۱۹۸۰ء) میں شائع شدہ ایک خبر کے مطابق " رائتھر ہام (انگلینڈ) میں پولیس نے ایک مسجد بند کر دی ہے۔ حکام نے بتایا کہ دو فرقوں کے ماہیں اس مسجد میں نماز ادا کرنے کے سلسلہ میں جھگڑا

ہو گیا تھا۔ چند روز قبل اس جھگڑے نے مسلح تصادم کی شکل اختیار کر لی جس میں چھ افراد زخمی ہو گئے اور پولیس نے آٹھ افراد کو گرفتار کر لیا۔ واتھرہام میں چار ہزار کے لگ بھگ مسلمان آباد ہیں۔"

اخبار مذکورہ کے اسی روز اداریہ میں تحریر ہے: "لندن سے موصول ہونے والی ایک اطلاع کے مطابق پارک شائہ کی مسجد میں نمازِ عید سے عین قبل نمازیوں میں سنگین تصادم ہو گیا جس میں بارہ افراد (سب کے سب پاکستانی) زخمی ہو گئے پولیس نے مداخلت کر کے ..... دو ماہ کے لئے مسجد کو بند کر دیا۔"

۱۰۔ لو! وہ بھی کہہ رہے ہیں کہ بے ننگ و نام ہے

نوائے وقت بابت ۲ اگست میں شائع شدہ ذیل کی خبر کو دیدۂ عبرت سے دیکھئے:۔

اسلام آباد میں باخبر ذرائع کے مطابق حکومتِ پاکستان نے امام خمینی کی اس پریس کانفرنس پر سخت احتجاج کیا ہے جس میں انہوں نے پاکستان کی حکومت کو بدعنوان قرار دیا تھا۔ وائس آف امریکہ کے مطابق امام خمینی نے اس پریس کانفرنس سے کل تہران میں خطاب کیا تھا اور اس میں تمام اسلامی ملکوں کے عوام سے متحد ہو جانے کی اپیل کرتے ہوئے مسلمانوں سے بعض اسلامی ملکوں میں قائم بدعنوان حکومتوں کا تختہ الٹ دینے کی اپیل کی تھی اور کہا تھا کہ مسلمانوں کو درپیش مسائل کی ذمہ دار یہ حکومتیں ہی ہیں۔ امام خمینی نے اس سلسلے میں پاکستان کے علاوہ عراق، مصر، ترکی اور افغانستان کا نام بھی لیا۔ (نوائے وقت ۲ اگست ۱۹۸۰ء)

جنابِ امام! شکریہ کہ آپ نے ہمیں زیادہ عرصہ تک غلط فہمی میں مبتلا نہیں رہنے دیا۔

۱۱۔ مقامِ تشکّر

صدرِ پاکستان، جنرل ضیاء الحق صاحب نے ۳ اگست کو لاہور میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

اس ملک میں عدلیہ مکمل طور پر خود مختار اور آزاد ہے، اور حکومت، وکلاء اور قانون دانوں کو عزت کی نظروں سے دیکھتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ طرفہ تماشا یہ ہے کہ لوگوں کو ان سے یہ شکایت ہے کہ انہوں نے تین سال بڑی شرافت سے گزارے ہیں۔ لوگ ہم پر تنقید کرتے ہیں کہ ہم نے اتنا عرصہ شرافت کا مظاہرہ کیوں کیا ہے اور سختی کا سلوک کیوں نہیں کیا۔ (نوائے وقت لاہور ۴ اگست ۱۹۸۰ء)

باسمہٖ تعالیٰ

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر
تیرا زجاج ہو نہ سکے گا حریفِ سنگ!

اس لئے

حقائق کا سامنا کیجئے

ان حقائق کا جن سے صرفِ نظر کرنے
کا نتیجہ ملک کا موجودہ خلفشار ہے

حقائق کا سامنا کیجئے!

قرآن مجید نے دو نقاطِ نگاہ، نہجِ زندگی یا طرزِ عمل بیان کئے ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک یہ کہ ہر پیش آنے والے معاملہ یا دعویٰ کے متعلق وحیٔ خداوندی کی روشنی میں علم و بصیرت کی رُو سے غور و فکر کیا جائے اور اگر وہ حقیقت کے معیار (کتاب اللہ) پر پورا اُترے تو اس کی صداقت کو قلب و دماغ کے کامل اطمینان کے ساتھ قبول اور تسلیم کر لیا جائے۔ صداقت کو اس طرح تسلیم کرنے کو دین کی اصطلاح میں ایمان کہا جاتا ہے۔ اور عام الفاظ میں اسے حقائق کا سامنا کرنا کہتے ہیں۔ دوسرا اندازِ زندگی یہ ہے کہ جو کچھ ہوتا چلا آ رہا ہے اسے آنکھیں بند کر کے صحیح تسلیم کر لیا جائے۔ نہ اس پر عقل و بصیرت کی رُو سے غور و فکر کیا جائے نہ وحیٔ خداوندی کی روشنی میں اس کا جائزہ لیا جائے۔ قرآن مجید نے اس روشِ زندگی پر چلنے والوں کو کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (۷/۱۷۹) قرار دیا ہے یعنی حیوانی سطح پر زندگی بسر کرنے والے۔ اور ان کا ٹھکانا جہنم بتایا ہے۔ جب سے اسلام کی گاڑی غیر اسلامی پٹڑی پر پڑی ہم اسی روش پر گامزن چلے آ رہے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے ہماری اس نہجِ زندگی کو بڑی شدت سے محسوس کیا اور ہزار جان سے چاہا کہ کارہ انِ ملت کو اس شاہراہ پر ڈال دیا جائے جو اسے حقیقی اسلام کی منزل تک لے جائے۔ اس کے لئے انہوں نے (بطور قدمِ اوّل) ہندی مسلمانوں کے لئے اپنی آزاد مملکت کا تصور پیش کیا۔ تاکہ (ان کے الفاظ میں) اسلام پر سے اس غیر اسلامی قشر (چھلکوں) کو اتار کر، جو ہمارے اور ملوکیت میں اس پر تہ بہ تہ جم گئے تھے، پھر سے اصل اسلام کو زندہ حقیقت بنا دیا جائے۔ اس کا طریق وہی تھا جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے۔ یعنی جو کچھ اسلام کے نام سے متوارث چلا آ رہا ہے اس کے ایک ایک عنصر (اعتقادات، نظریات، آئین و نظام، احکام و قوانین وغیرہ) پر عقل و بصیرت کی رُو سے غور و فکر کیا جائے اور قرآن مجید کی روشنی میں ان کا جائزہ لے کر، جو کچھ اس معیار پر پورا اترے اسے حق و صداقت تسلیم کر لیا جائے اور جو اس کے خلاف ہو اسے مسترد کر دیا جائے۔ علامہ اقبالؒ کے اس تصور کو روبہ عمل لانے کا نام تحریکِ پاکستان تھا جو قائدِ اعظمؒ کے زیرِ سیادت پروان چڑھ رہی تھی۔

جس دوسرے مسلک یا نہجِ زندگی کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے، اس کے حاملین کی طرف سے اس تحریک کی مخالفت ہوئی۔ انگریز نے اپنے عہدِ حکومت میں مسلک یہ اختیار کیا تھا کہ مسلمانوں (بلکہ جملہ اہلِ مذاہب) کو ان کے معتقدات، عبادات اور شخصی قوانین کی آزادی دی جائے اور امورِ مملکت میں انہیں دخل انداز نہ ہونے دیا جائے۔ ہندوستان کی تحریکِ آزادی کے دوران ہندو نے بھی یہی مسلک اختیار کیا اور کہا کہ حصولِ آزادی کے بعد مسلمانوں کو مذہب کے معاملہ میں وہی آزادی حاصل رہے گی جو انہیں انگریز کے زمانے میں حاصل تھی، اور امورِ مملکت جمہوری انداز سے سرانجام پائیں گے۔ ہمارے مذہب پرست طبقہ نے کہا کہ اس سے اسلام کا منشا پورا ہو جاتا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کے لئے کسی آزاد مملکت کی ضرورت نہیں۔

تحریکِ پاکستان کی جنگ درحقیقت انہی دو نقاطِ نگاہ یا مسالک کی جنگ تھی۔ اوّل الذکر نقطۂ نگاہ کا پیامبر اقبالؒ حصولِ پاکستان سے پہلے ہی راہیٔ ملکِ بقا ہو گیا۔ اور اس کا شمع بردار، قائدِ اعظمؒ اس کے تھوڑے عرصہ بعد ہم سے رخصت ہو گیا۔ ان کے بعد اسلام کی نمائندگی ان لوگوں کے حصے میں آگئی جو دوسرے نقطۂ نگاہ کے حامل تھے۔ یعنی اس نقطۂ نگاہ کے حامل کہ اسلام

کے نام سے جو کچھ ہوتا چلا آ رہا ہے اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ اور جب اس میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا تو اس پر غور و فکر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اتنا بھی نہیں کہ قرآنِ مجید کی روشنی میں اس کا جائزہ لیا جائے یا یہ دیکھا جائے کہ وہ موجودہ دور میں (اور خود مسلمانوں کی موجودہ حالت میں) قابلِ عمل بھی ہے یا نہیں۔

جیسا کہ کہا جا چکا ہے اوّل الذکر نقطۂ نگاہ کے حاملین حصولِ پاکستان کے بعد ہم میں موجود نہ رہے لیکن طلوعِ اسلام اپنے اس بخت اور سعادت پر جس قدر بھی ناز کرے کم ہے کہ اس کی نمائندگی اس کے حصّے میں آئی۔ وہ گذشتہ تیس سال سے اپنی بساط کے مطابق اس پیغام کو عام کئے جا رہا ہے اور مخالفتوں کے لاکھ جھکڑوں کے باوجود اپنے اس ننھّے سے دیئے کو روشن رکھے چلا آ رہا ہے۔ اس کے لئے وہ نہ کسی ستائش کا متمنّی ہے نہ صلہ کا امیدوار۔ یہ اسے فریضۂ خداوندی کے طور پر ادا کر رہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ فریضہ کی ادائیگی میں تحسین و ستائش یا اجر و معاوضہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس نے ہر تجویز، ہر تحریک، ہر دعویٰ، ہر مطالبہ کے سلسلہ میں قوم سے ایک ہی استدعا کی ـــــ اور وہ یہ کہ حقائق کا سامنا کرنے کی جرأت پیدا کیجئے۔ ان سے آنکھیں چرا کر آگے بڑھ جانے کی کوشش نہ کیجئے۔ اس لئے کہ حقائق اپنے مقام پر اٹل ہوتے ہیں اور جو قوم ان سے آنکھیں چرا کر گذر جانے کی کوشش کرتی ہے، وہ تباہ ہو جاتی ہے۔ یہ فطرت کا اٹل قانون ہے اور خدا کے متعین فرمودہ قوانینِ فطرت میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا (۳۳/۶۲) آج کی نشست میں ہم ان حقائق میں سے، جنہیں ہم نے قوم کے سامنے پیش کیا تھا چند ایک بطور مثال پیش کرتے ہیں، یہ بتانے کے لئے کہ قوم نے جب ان کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں، تو اس کا نتیجہ کیا ہوا؟

(۰)

کتاب و سنّت

تشکیلِ پاکستان کے فوری بعد ان حضرات کی طرف سے مطالبہ ہوا کہ پاکستان میں:-

(۱) شخصی قوانین ہر فرقہ کے اپنے اپنے ہوں۔ اور

(۲) پبلک لاز کا ضابطہ کتاب و سنت کے مطابق مدوّن کیا جائے۔

طلوعِ اسلام نے کہا کہ یہ دونوں مطالبات حقائق کے خلاف ہیں۔ ذرا جذبات سے الگ ہو کر، قرآنِ مجید کی روشنی میں علم و بصیرت کی رو سے ان کا جائزہ لیجئے اور یہ دیکھئے کہ آیا یہ (ا) اسلام کے مطابق بھی ہیں اور (ب) آیا، موجودہ دور میں یہ ممکن العمل بھی ہیں؟ اس کی تفصیل میں جاتے ہوئے ہم نے کہا کہ جہاں تک پہلے مطالبہ کا تعلق ہے:-

(ا) قرآنِ مجید کی رُو سے شخصی قوانین اور پبلک لاز کی تفریق غیر اسلامی ہے۔ یہ تفریق ہمارے دورِ ملوکیت کی ایجاد ہے جب حکومت نے دُنیاوی امور کو اپنی تحویل میں لے لیا تھا اور مذہبی معاملات کو مذہبی پیشوا ئیت کے حوالے کر دیا تھا۔ اسلامی مملکت میں اس قسم کی ثنویت (DUALISM) کا تصوّر ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اس قسم کی تقسیم سیکولر نظام میں ہوتی ہے۔

(ا ا) قرآنِ کریم کی رُو سے ساری کی ساری اُمّت، ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے۔ اس نے اُمّت میں فرقوں کے وجود کو شرک قرار دیا ہے (۳۰/۳۲) ہر فرقہ کے اپنے اپنے شخصی قوانین کے معنی اُمّت میں فرقوں کے وجود کی گرہوں کو مضبوط ترین کر دینا ہیں (قائدِ اعظم کے الفاظ میں) جب اُمّت کا خدا ایک، رسول ایک، قرآن ایک ہے، تو اُمّت بھی ایک کیوں نہ ہو؟

(ا ا ا) اب آیئے پبلک لاز کی طرف۔ پبلک لاز سے مراد وہ قوانین ہوتے ہیں جن کا اطلاق ملک کے تمام باشندوں (اسلامی مملکت میں کم از کم تمام مسلمانوں) پر یکساں ہوتا ہو۔ ہم نے کہا کہ کتاب و سنت کی رُو سے پبلک لاز کا کوئی ایسا ضابطہ مرتب نہیں ہو سکے گا جسے تمام فرقوں کے مسلمان متفقہ طور پر اسلامی تسلیم کر لیں۔ اپنے اس دعویٰ کی تائید میں ہم نے طبری تفصیل اور تشریح کے ساتھ مسلسل اور متواتر لکھا۔ اس سلسلہ

میں جو دلائل ہم نے پیش کئے، وہ ملخصاً حسبِ ذیل تھے۔

(i) "کتاب وسنت" میں کتاب (قرآن مجید) کا لفظ محض تبرکاً لکھ لیا گیا ہے۔ عملاً تمام احکامِ شریعت کے متعلق دعوےٰ یہ ہے کہ وہ (بالواسطہ یا بلاواسطہ) سنت پر مبنی ہیں۔ حتیٰ کہ ہماری شریعت میں ایسے احکام بھی ہیں جو صریحاً قرآن مجید کے خلاف ہیں۔ اس کے جواز میں کہا جاتا ہے کہ سنت، قرآن کو منسوخ کر سکتی ہے۔

(ii) سنت کے متعلق ہم نے کہا تھا کہ اس کی تفصیلات تو ایک طرف، اس کے مفہوم تک میں بنیادی اختلاف ہے۔ ایک طبقہ کے نزدیک، سنت، احادیث ہی کا دوسرا نام ہے۔ یعنی ہر حدیث سنتِ رسول اللہؐ ہے۔ دوسرے طبقہ کا مسلک یہ ہے کہ ہر حدیث، سنت نہیں۔ سنت، حضورؐ کے اس عمل کو کہا جائے گا جسے آپؐ نے بہ حیثیتِ رسولؐ سرانجام دیا ہو۔ چونکہ احادیث کے مجموعوں میں اس کی کہیں تصریح نہیں کہ حضورؐ نے فلاں کام بہ حیثیتِ رسولؐ کیا تھا اور فلاں کام اپنی شخصی حیثیت سے، اس لئے اس کا تعین ہمیں خود کرنا ہوگا۔ اس موضوع پر سید ابوالاعلیٰ مودودی (مرحوم) اور اس زمانہ کے جمعیتِ اہلحدیث کے صدر، مولانا محمد اسماعیل (مرحوم) میں دلچسپ بحث چلی تھی۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے۔ مولانا اسماعیل مرحوم کی طرف سے شائع کردہ کتابچہ — "جماعتِ اسلامی کا نظریۂ حدیث"۔ اور مودودی مرحوم کی کتاب "تفہیمات" اور "رسائل و مسائل") ظاہر ہے کہ جس بنیاد کا مفہوم تک متعین نہ کیا جا سکتا ہو، اس پر قوانینِ مملکت کی عمارت کس طرح استوار ہو سکتی ہے؟

(iii) قرآن کریم ایک متعین اور معلوم کتاب ہے جسے تمام مسلمان کتاب اللہ مانتے ہیں۔ لیکن تمام عالمِ اسلام میں کوئی ایسی کتاب نہیں جسے تمام مسلمان سنتِ رسول اللہؐ کا مستند اور متفق علیہ مجموعہ تسلیم کرتے ہوں۔ ہر فرقہ کی "سنت" الگ الگ ہے۔ یعنی الگ الگ حدیثیں۔ اور الگ الگ کی بھی یہ کیفیت کہ (مثلاً) اہلِ حدیث حضرات کے نزدیک، بخاریؔ اور مسلمؔ کی کسی ایک حدیث کا انکار بھی انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ اور حنفی حضرات بخاریؔ اور مسلمؔ کی کم از کم دو سو حدیثوں کو صحیح تسلیم نہیں کرتے۔ (عملاً) کیفیت یہ ہے کہ صلوٰۃ اور زکوٰۃ کو اسلام کے بنیادی ستون کہا جاتا ہے۔ (زکوٰۃ کی بات بعد میں آئے گی) صلوٰۃ (نماز) کی کیفیت یہ ہے کہ ہر فرقہ کی نماز ہیں، دوسرے فرقوں کی نماز سے اختلاف ہے۔ اور ہر فرقہ اپنی نماز کو احادیث کے مطابق ثابت کرتا ہے۔ اس اختلاف کی شدت کا یہ عالم ہے کہ ایک فرقہ کے پیرو، دوسرے فرقہ والوں کے ساتھ مل کر نماز نہیں پڑھتے، اور مسجدوں کی تخصیص پر مختلف فرقوں میں آئے دن فساد ہوتے رہتے ہیں۔

بیس برس تک طلوعِ اسلام اپنی اس پکار کو دہراتا رہا کہ "کتاب وسنت" کی رو سے پبلک لاء کا کوئی ایسا ضابطہ مرتب نہیں ہو سکتا جسے تمام فرقے متفقہ طور پر اسلامی تسلیم کر لیں۔ ان حضرات میں سے کسی نے طلوعِ اسلام کی کسی دلیل کی تردید نہ کی — بیس برس کے بعد، مودودی (مرحوم) کو طلوعِ اسلام کے اس دعویٰ کو تسلیم کرنا پڑا کہ

> کتاب وسنت کی رو سے پبلک لاء کا کوئی ایسا ضابطہ مرتب نہیں کیا جا سکتا جسے تمام فرقے متفقہ طور پر اسلامی تسلیم کر لیں۔ (حوالہ کے لئے دیکھئے ہفت روزہ ایشیا۔ بابت ۲۴ راگست ۱۹۷۰ء)

———(o)———

فقہ اس اعتراف کے بعد مودودی (مرحوم) نے کہا کہ اس کے بجائے فقہ حنفی کو ملک میں، مملکت کے قانون کی حیثیت سے نافذ کر دیا جائے۔ طلوعِ اسلام نے اس پر بھی قوم کے سامنے حقائق کا آئینہ رکھا اور کہا کہ یہ تجویز، نہ صرف دین

کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے بلکہ ناممکن العمل بھی ہے۔ اس نے اختصاراً کہا:۔

(۱) فقہ کی صحیح پوزیشن سمجھنے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ قانون سازی کے سلسلہ میں قرآنِ مجید کا موقف کیا ہے۔ قرآنِ کریم، تمام نوعِ انسان کے لئے، ہمیشہ کے لئے ضابطہ زندگی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ انسانی ضروریات اور تقاضے جامد نہیں رہتے۔ یہ حالات اور زمانے کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ جس ضابطہ کو عالمگیر انسانیت کے لئے تمام زمانوں کے لئے ابدی راہ نمائی کا کام دینا ہے۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ اس میں نوعِ انسان کے بدلتے رہنے والے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے تبدیلی کی گنجائش ہوتی۔ اس بنیادی تقاضا کے پیشِ نظر، قرآنِ مجید نے بجز چند متعین احکام، زندگی کے لئے اصول اور اقدار دیئے ہیں۔ احکام و قوانین کی جزئیات خود ہی متعین نہیں کر دیں۔ اس نے کہا ہے کہ یہ اصول اور اقدار ان حدود کا کام دیں گی جن کے اندر رہتے ہوئے، ہر زمانہ کی اسلامی مملکت اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق جزئیات خود متعین کرے۔ قرآن مجید کے اصول و اقدار تو ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رہیں گے لیکن ان کے اندر رہتے ہوئے مدوّن کردہ جزئیات، بدلتے رہنے والے حالات کے مطابق بدلتی رہیں گی۔ ثبات ..... (PERMANENCE) اور تغیّر (CHANGE) کے اس حسین امتزاج سے، قرآنی نظام، نوعِ انسان کی انتقالی منازل کا ساتھ دیتے ہوئے آگے بڑھتا چلا جائے گا۔

اس نظام کی اس خصوصیت کو سمجھنے کے لئے (مثال کے طور پر) ہاکی کے میدان کو سامنے لائیے۔ اس میدان کے چاروں طرف ایک نمایاں لکیر کھینچ کر اسے محدود کر دیا جاتا ہے۔ میدان کے اندر، دو چار جگہ خصوصی نشانات لگا دیئے جاتے ہیں اور دونوں ٹیموں کے لئے گول (نصب العین) متعین کر دیا جاتا ہے۔ ان حدود کے اندر رہتے ہوئے، اور ان ضوابط کی پابندی کرتے ہوئے جو اس کھیل کے لئے متعین کئے جاتے ہیں، ٹیم اور ٹیم کا ہر کھلاڑی آزاد ہوتا ہے کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق، گیند کو گول کے اندر پہنچا دے۔ ان کھلاڑیوں میں سے جو شخص کھیل کے قواعد و ضوابط سے اچھی طرح واقف اور اپنی ٹیم کے کھلاڑیوں کے مزاج اور صلاحیتوں پر نگاہ رکھتا ہو، اسے ٹیم کا کپتان مقرر کر دیا جاتا ہے۔ یہ کپتان بھی ان قواعد و ضوابط کا باقی کھلاڑیوں کی طرح پابند ہوتا ہے۔ اس کا فریضہ کھلاڑیوں کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھنا ہوتا ہے۔

اس مثال سے اسلام کے نظامِ قانون سازی کا اصول سمجھ میں آجائے گا۔ ہر دور کی اسلامی مملکت کا فریضہ یہ طے کرنا ہوگا کہ قرآنِ کریم کے ابدی اور غیر متبدل اصول و اقدار کو کس طریق سے نافذ کیا جائے۔ اس طریق کار یا (پروگرام) کی جزئیات کو احکامِ شریعت یا فقہی قوانین کہا جاتا ہے۔ (ضمناً) لفظ شریعت کے معنی اس راستے کے ہیں جو بہتے پانی کے گھاٹ کی طرف لے جائے۔ اس میں آبِ رواں یا بہتے پانی (ندی) کی شرط غور طلب ہے۔ زندگی اگر کسی مقام پر ساکن یا جامد ہو جائے تو وہ ندی نہیں رہتی اس لئے اس قسم کے ساکن پانی (ناقابلِ تغیر قوانین) کی طرف لے جانے والے راستے کو "شریعت" کہا ہی نہیں جا سکے گا۔ باقی رہی فقہ، سو اس کے معنی ہیں غور و تفکر کے بعد کسی حل پر پہنچنا۔ اگر فقہ میں تفقہ (غور و فکر) کی گنجائش نہ رہے تو وہ فقہ کہلا نہیں سکتی۔

ان تصریحات سے واضح ہے کہ کسی زمانے کے مدوّن کردہ قوانینِ فقہ ہمیشہ کے لئے غیر متبدل قرار نہیں پا سکتے۔ یہ اس زمانے کے لئے جس میں یہ مدوّن ہوئے تھے، قوانینِ شریعت کہلا سکتے تھے۔ انہیں بعد کے زمانے والوں پر علیٰ حالہٖ مسلّط کرنا، نہ اسلام کا منشا تھا، نہ ان مقنّنین کا مقصد جنہوں نے انہیں مدوّن

کیا تھا۔ چونکہ یہ بعد کے بدلتے ہوئے تقاضوں کو پورا کر ہی نہیں سکتے۔ اس لئے ناقابل العمل ہوتے ہیں۔ (اس کی مثالیں آگے چل کر سامنے آئیں گی) قرآن مجید نے غیر متبدل صرف کلمات اللہ (قوانین خداوندی) کو قرار دیا ہے۔ (۶/۱۱۶) انسانوں کے وضع کردہ قوانین کو غیر متبدل قرار دینا، انہیں مقام الوہیت عطا کر دینا ہے جو شرک ہے۔ ابدیت اسی کے احکام کو حاصل ہو سکتی ہے جو خود ابدی ہو۔

(۰)

جب یہ تجویز کیا گیا تھا کہ پاکستان میں فقہ حنفی (بطور پبلک لاء) نافذ کر دی جائے تو ہم نے اس کے خلاف مذکورہ صدر، پہلا اور بنیادی اعتراض کیا تھا۔ اب دوسرے اعتراض کی طرف آیئے۔

(۱۱) مسلمانوں میں متعدد فرقے ہیں اور ہر فرقے کی فقہ اپنی اپنی ہے۔ ایک فرقہ نہ کسی دوسرے فرقہ کی فقہ کو اسلامی تسلیم کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے، نہ ہی اپنی فقہ میں کسی قسم کے تغیر و تبدل کے لئے آمادہ۔ اندریں حالات، کسی ایک فرقہ کی فقہ کو، دوسرے فرقوں پر مسلط کرنا، اور ان سے کہنا کہ وہ اسلامی قوانین کی حیثیت سے اس کی اطاعت کریں، مذہب میں جبر ہوگا جسے کوئی بھی بطیب خاطر قبول نہیں کرے گا۔ چنانچہ اس تجویز کے خلاف (کہ ملک میں فقہ حنفی نافذ کر دی جائے) سب سے پہلے شیعہ حضرات نے صدائے احتجاج بلند کی۔ اس کے بعد، اہل حدیث نے یہ کہہ کر اس کی مخالفت کی کہ ہم تو فقہ کے مسلک ہی کو غیر اسلامی سمجھتے ہیں (خواہ وہ کوئی فقہ ہو) اس لئے ہم فقہی قوانین کو کس طرح اسلامی تسلیم کریں گے۔

اس وقت یہ بحثیں محض نظری تھیں۔ اس کے بعد ان فقہی قوانین کی پہلی قسط "قوانین حدود" (سزاؤں سے متعلق قوانین) کی شکل میں، ۱۹۷۹ء میں ملکی قوانین کی حیثیت سے نافذ کی گئی۔ یہ قوانین کس قدر ناقابل العمل تھے اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ ان قوانین کے ساتھ ہی (انگریزی زمانہ کے) مروجہ قوانین بھی شائع کر دیئے گئے اور کہہ دیا گیا کہ جو مقدمات قوانین حدود کی رُو سے فیصل نہ ہو سکیں، ان کا تصفیہ مروجہ قوانین کی رُو سے کر دیا جائے۔ چنانچہ، اس تمام زمانے میں، قوانین حدود میں سے کوئی ایک قانون بھی نافذ العمل نہ ہو سکا۔

یہ قوانین ہیں کس قسم کے، اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ

(۱) جرم زنا کے ثبوت کے لئے شرط یہ ہے کہ چار مسلمان متقی۔ پرہیزگار گواہوں نے "عمل دخول"..... (ACT OF PENETRATION) کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو۔ جن لوگوں کی آنکھوں پر عقیدتمندی کے رنگین چشمے ہیں، ان سے تو ہمارا خطاب نہیں۔ لیکن جو حضرات واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہوں، ہم ان سے عرض کریں گے کہ وہ سوچیں کہ اس قسم کے قانون کے متعلق (ہم تو ایک طرف) دنیا کیا کہے گی؟ لیکن یہ قانون، ہمارے ہاں اسلامی قانون کی حیثیت سے نافذ ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ صرف کاغذ پر ہی ثبت ہے عمل اس پر آج تک نہیں ہو سکا۔ نہ کبھی ہو سکے گا!

(۱۱) ان قوانین کی رُو سے، شادی شدہ اشخاص کے لئے جرم زنا کی سزا رجم ہے۔ یعنی مجرم کو زمین میں گاڑ کر، اسے بتدریج مار مار کر ہلاک کر دینا۔ یہ سزا قرآن کریم کے یکسر خلاف ہے۔ اس میں کہیں یہ سزا مقرر نہیں کی گئی۔ یہ غنیمت

ہے کہ جرم زنا کے ثبوت کے لئے جس شرط کا شق (ز) میں ذکر کیا گیا ہے، اس کی رُو سے، اس جرم کی شرعی سزا کا موقعہ ہی نہیں آئے گا۔ بایں ہمہ یہ قانون بھی بہ حیثیت اسلامی قانون ہمارے ہاں نافذ ہے۔

(o)

زکوٰۃ

"حدود" کے بعد، حال ہی میں زکوٰۃ کے متعلق قوانین نافذ کئے گئے ہیں۔ قرآن کریم میں تو اس قسم کی زکوٰۃ کا کوئی ذکر ہی نہیں۔ سنتِ رسول اللہ اور فقہ کی رُو سے زکوٰۃ کے متعلق جو جزئیات (نصاب۔ مدت۔ وغیرہ) متداول چلی آرہی تھیں، یہ قوانین ان کے بھی خلاف ہیں۔ یہ قوانین ایک عرصہ تک، اسلامی نظریاتی کونسل کے زیر تدوین اور حکومت کے وزارتِ قانون کے زیر غور رہے۔ لیکن ان کی محکمیت کی کیفیت یہ ہے کہ

(i) پہلے اجرائیہ میں نصاب کی شرح ایک ہزار روپیہ مقرر کی گئی اور دو تین دن بعد اسے بڑھا کر تین ہزار کر دیا۔ اور اس کے لئے دلیل یہ دی گئی کہ زکوٰۃ کا نصاب پچاس تولے چاندی ہے، اور پچاس تولے چاندی کی قیمت آجکل قریب تین ہزار روپے ہوتی ہے۔ اس لئے نصاب یہ ہونا چاہیئے۔ (ضمناً، نصابِ زکوٰۃ، ۷½ تولہ سونا بھی ہے۔ جس کی مروجہ قیمت چودہ پندرہ ہزار روپیہ ہوتی ہے۔ معلوم نہیں اسے نصاب کیوں نہیں تسلیم کیا گیا!؟)

(ii) پہلے حکم کی رُو سے، ہر رقم پر جو ہزار روپے سے زائد تھی، زکوٰۃ وضع کی گئی۔ اس کے بعد کہا گیا کہ زکوٰۃ، درحقیقت اس مال پر واجب ہوتی ہے جو صاحبِ نصاب کے قبضہ میں سال بھر تک رہا ہو۔ اس لئے، ہزار روپے سے زائد ہر رقم پر زکوٰۃ وضع کرنا جائز نہیں تھا۔ یہ اسی رقم پر واجب تھی جو صاحبِ نصاب کی ملکیت میں سال بھر تک رہی ہو۔

(iii) پہلے حکم میں بہت سی مدات کو زکوٰۃ سے مستثنےٰ قرار دیا گیا تھا۔ اب، اسلامی نظریاتی کونسل کے (جدید) چیرمین ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب فرما رہے ہیں کہ ان میں اکثر مدات ایسی ہیں جن پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ یہ ان کی ذاتی رائے ہے۔ یعنی اسلامی قوانین کے لئے کسی سند کی ضرورت نہیں۔ یہ اشخاص کی ذاتی رائے کے تابع وضع ہوتے ہیں۔ (اس کی تفصیل ہم نے ایک اور مقالہ میں دی ہے)۔

جب ہم اپنی فقہ میں ایسے قوانین دیکھتے تھے جو قرآن مجید کے بھی خلاف تھے اور علم و بصیرت کے بھی خلاف، تو سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس قسم کے قوانین وضع، مرتب اور نافذ کیسے ہو گئے؛ اب یہ معمہ بھی حل ہوتا جا رہا ہے۔

(o)

جو کچھ ہم نے سابقہ صفحات میں لکھا ہے، آپ نے غور فرمایا کہ اس سے کونسے حقائق ہمارے سامنے آتے ہیں؛ یہ حقائق کہ

(i) پہلے کہا گیا کہ ہر فرقہ کے لئے شخصی قوانین اپنے اپنے ہوں اور پبلک لاز، کتاب و سنت کی رُو سے مرتب کئے جائیں۔ بیس سال تک اس ناممکن العمل مطالبہ پر زور دیا جاتا رہا۔

(ii) بیس سال کے بعد کہا گیا کہ کتاب و سنت کی رُو سے پبلک لاز کا کوئی ایسا ضابطہ وضع نہیں کیا جا سکتا جسے تمام فرقے متفقہ طور پر اسلامی تسلیم کر لیں۔ اس لئے اس خیال کو چھوڑ کر، ملک میں فقہ حنفی نافذ کر دی جائے۔ اور

(iii) فقہ حنفی کے نفاذ کے اوّلیں مرحلہ پر ہی یہ حقیقت سامنے آگئی کہ اس کی رُو سے بھی پبلک لاز کا کوئی ایسا ضابطہ وضع نہیں کیا جا سکتا جو تمام فرقوں کے نزدیک اسلامی ہو۔

ہمارے قدامت پسند طبقہ کے نزدیک، اسلامی قوانین کے یہی دو ماخذ تھے، سو وہ ناکام رہ گئے۔ اب اس کے

بعد کیا؟ —— یہاں حقائق کا سامنا کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

آپ نے غور فرمایا ہے کہ مملکت پاکستان کو اسلامی مملکت بنانے کے سلسلہ میں ہم کس مقام پر پہنچ گئے، یا پہنچائے جا رہے ہیں؟ اُسی مقام پر جہاں مطالبۂ پاکستان کے مخالفین کھڑے تھے۔ ان کا مُوقف یہ تھا کہ

(i) متحدہ (آزاد) ہندوستان میں، مسلمانوں کو شخصی قوانین کی آزادی حاصل ہو گی۔

(ii) باقی رہے پبلک لاز، سو ان کے لئے اس کے سوا کوئی صورت ہی نہیں کہ انہیں جمہوری طریقہ سے وضع کیا جائے۔

پاکستان میں، جو کچھ اسلام کے نام سے ہو رہا ہے اس سے ہم بتدریج اس مقام تک پہنچ جائیں گے۔ اور جب ہم اس مقام پر پہنچ جائیں گے تو اس سے ہماری نوجوان نسل کا یہ خیال، ایک حقیقت بن جائے گا کہ متحدہ ہندوستان میں نیشنلسٹ مسلمان (یا ہندو) صحیح کہتے تھے کہ مسلمانوں کو جداگانہ مملکت کی ضرورت کیا ہے؟ اور تو اور، مسٹر گاندھی تک نے بھی یہ کہہ دیا تھا کہ اگر مسٹر جناحؒ، پاکستان کو اسلامی مملکت بنانے کا خیال ترک کر دیں تو ہمارے اور ان کے اختلافات ختم ہو جائیں گے۔ ہماری نئی نسل کے اس سوال کا (کہ ہم نے پاکستان بنا کر حاصل کیا کیا؟) ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہو گا۔ ایک جداگانہ مملکت کی وجہ جواز تو یہی تھی کہ ہم اسے اسلامی بنانا چاہتے ہیں۔ اگر یہ اسلامی بن نہیں سکتی تو پھر اس کے ہندوستان سے علیحدہ رہنے کی وجہ جواز کیا ہو گی؟

اس مقام پر آپ کے دل میں یہ سوال پیدا ہو گا کہ پھر اس مشکل کا حل کیا ہو گا۔ اس کا حل وہی ہو گا جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یعنی قرآنِ مجید کی غیر متبدل حدود کے اندر رہتے ہوئے، اپنے زمانہ کے تقاضوں کے مطابق جزئی قوانین خود وضع کئے جائیں۔ اگر آپ کہیں کہ فقہ اور روایات کو غیر متبدل دین سمجھنے والے اس کے لئے تیار نہیں ہوں گے .... تو پھر ہمیں اس کے لئے تیار رہنا چاہیئے کہ یہاں بھی ایسی حکومت قائم ہو جائے جیسی دنیا کے عام ممالک میں ہے۔

(-)

معراجِ انسانیت

سیرت صاحب قرآن علیہ التحیۃ والسلام خود قرآن کے آئینے میں مفکرِ قرآن کا بلند پایہ شاہکار، عقل و عشق، فکر و نظر، دل اور دماغ کا حسین امتزاج۔ اس سیرتِ طیبہ کے مطالعہ سے

مقامِ محمدی —— اور —— انقلابِ محمدی نکھر کر سامنے آجاتے ہیں

حسن معنوی کے ساتھ صوری پاکیزگی بھی دیدہ زیب، بڑی تقطیع، اعلیٰ درجہ کا سفید کاغذ۔ ضخامت پانصد صفحات۔ کتابت طباعت نورانی۔ جلد مضبوط اور دلکش —— قیمت ۔/۴۵ روپے (علاوہ محصول ڈاک)

ملنے کا پتہ

مکتبۂ دین و دانش چوک اردو بازار لاہور ★ ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵ بی گلبرگ ۲ لاہور

ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب سے چند سوالات

(احکام زکوٰۃ کے سلسلہ میں)

☆☆☆

حکومتِ پاکستان کی طرف سے حال ہی میں نافذ کردہ زکوٰۃ آرڈی ننس کی تاویلات، توضیحات، تشریحات اور (مجوزہ) ترمیمات سے اخبارات کا دامن بھر رہا ہے۔ لیکن اس کے باوجود (اس وقت تک) کیفیت یہ ہے کہ کثرتِ تعبیرات سے خواب پریشاں سے پریشان تر ہوتا جا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے اہم وہ تشریحات ہیں جو ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب کی طرف سے (جولائی کے آخری عشرہ میں) اسلام آباد میں پیش کی گئیں۔ قارئین طلوعِ اسلام (محترم) تنزیل الرحمٰن صاحب سے بخوبی متعارف ہیں۔ ان کی تالیف، مجموعہ قوانینِ اسلام کی جلد اوّل اور دوم پر تبصرہ طلوعِ اسلام کی اشاعت بابت مئی ۱۹۶۶ء اور مئی ۱۹۶۷ء میں شائع ہو چکا ہے۔ لیکن اس وقت وہ نہ تو "ڈاکٹر" تھے نہ "مسٹر جسٹس" اور نہ ہی چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل۔ ہمارے نزدیک ان کی حالیہ تشریحات کی اہمیت ان کے اسی منصب کے اعتبار سے ہے۔ موجودہ غیر اسلامی قوانین کو اسلامی بنانے کی بنیادی ذمہ داری اس کونسل کے سپرد کی گئی ہے (اگرچہ اس کی حیثیت مشاورتی ہے) اس لئے اس کے چیئرمین کے خیالات ملک کی خصوصی توجہ کے مستحق ہیں۔ ہم نے اسی نہج سے ان کی تشریحات کو پیشِ خدمتِ قارئین کرنا، اور آخر میں ان سے کچھ سوالات دریافت کرنا، ضروری سمجھا ہے۔ یہ سوالات درحقیقت بعض نکات کی مزید وضاحت طلبی کی نوعیت کے ہیں تاکہ ایک ایسے قانون کے مندرجات، جسے اسلام کے بنیادی ستون کی حیثیت سے نافذ کیا گیا ہے، غیر مبہم اور متعین شکل میں سامنے آسکیں۔ ویسے بھی محترم صدرِ مملکت نے فرمایا ہے کہ

> وہ پریس اور دیگر گوشوں کی طرف سے، زکوٰۃ اور عشر کے آرڈیننس پر تنقید کا خیر مقدم کریں گے تاکہ اس طرح اس نظام کو استحکام حاصل ہو۔ (پاکستان ٹائمز۔ راولپنڈی۔ ۳۰ جولائی ۱۹۸۰ء)

ڈاکٹر صاحب نے ۲۰ جولائی ۱۹۸۰ء کو، نیشنل سنٹر، اسلام آباد میں مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے ایک تقریر کی تھی جس کی حسبِ ذیل رپورٹ، روزنامہ نوائے وقت (راولپنڈی) کی اشاعت بابت ۲۱ جولائی میں یوں شائع ہوئی تھی:۔

> انہوں نے اس امر پر زور دیا کہ زکوٰۃ میں دکھاوا نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ یہ اسلام کی روح کے منافی ہے اور اس سلسلے میں زکوٰۃ کمیٹیوں کو چاہیئے کہ وہ خود مستحق لوگوں تک جا کر زکوٰۃ پہنچائیں۔ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن نے زکوٰۃ و عشر کے نفاذ کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہونے والی مختلف غلط فہمیوں کے بارے میں کہا کہ

زکوٰۃ صرف اسی مال پر لی جائے گی جس پر وہ واجب الادا ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ صاحبِ ثروت لوگوں کو خود اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیئے۔ تاکہ ملک میں صحیح اسلامی نظام کا نفاذ ممکن ہو سکے۔ انہوں نے مزید کہا کہ جب ملک میں مکمل طور پر زکوٰۃ کا نظام نافذ ہو جائے گا۔ تو اس نظام میں سے سود کا عنصر خود بخود ختم ہو جائے گا۔

ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن نے کہا کہ زکوٰۃ ان قرضوں میں سے بھی کاٹی جانی چاہیئے جو ترقیاتی مقاصد کے لئے حاصل کئے جاتے ہیں اور اس کے علاوہ کرنٹ اکاؤنٹس پر بھی زکوٰۃ لگائی جانی چاہیئے انہوں نے کہا کہ زکوٰۃ کی رقم صرف ان مقاصد کے لئے خرچ کی جانی چاہیئے جو شریعت میں دیئے گئے ہیں۔ زکوٰۃ فنڈ کی رقم سڑکوں، پلوں اور ہسپتالوں وغیرہ کی تعمیر پر خرچ نہیں کی جانی چاہیئے۔ انہوں نے کہا کہ ان کا ذاتی خیال یہ ہے کہ زکوٰۃ آرڈی ننس میں ترمیم کی جائے اور اس میں صاحبِ نصاب کی تعریف شامل کر دی جائے۔ انہوں نے کہا کہ ان کے خیال میں زکوٰۃ کی تشخیص کے لئے چاندی کی مالیت بہتر پیمانہ ہے۔ سیونگ بنک اکاؤنٹس کو "اموالِ باطنہ" قرار دینے کے متعلق ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ یہ اکاؤنٹس "اموالِ باطنہ" نہیں ہیں اور اگر یہ "اموالِ باطنہ" ہیں تو پھر بھی حکومت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ ان اکاؤنٹس سے زکوٰۃ کاٹے۔ چھوٹے بچوں کے نام رقوم میں سے زکوٰۃ وضع کرنے کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ ایک ایسے معاشرے میں جہاں لوگ "زکوٰۃ" سے بچنے کے لئے اپنے اثاثے اپنے بچوں کے نام منتقل کر دیں، چھوٹے بچوں کے اکاؤنٹس سے زکوٰۃ وضع کرنا درست ہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ کیا بنک کے سود پر بھی زکوٰۃ وضع ہو سکتی ہے۔ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن نے کہا کہ جب زکوٰۃ کا نظام مکمل طور پر نافذ ہو جائے گا تو سود پر مبنی اقتصادی نظام خود بخود ختم ہو جائے گا۔ بنک کے سود سے جو زکوٰۃ وضع کی جاتی ہے اسے "صدقہ" تصور کیا جانا چاہیئے۔

اس رپورٹ کے شائع ہونے کے دوسرے ہی دن ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب نے ایک اخباری بیان شائع کیا جس میں کہا کہ ان کی تقریر کے متعلق اخبارات میں جو رپورٹ شائع ہوئی ہے وہ ان کے بیان کردہ خیالات کی صحیح ترجمانی نہیں کرتی یہ بیان اس کی تصحیح کے لئے شائع کیا جاتا ہے۔ ان کے اس بیان کا رواں ترجمہ (بحوالہ پاکستان ٹائمز۔ راولپنڈی۔ بابت ۲۲ جولائی) کا درج ذیل کیا جاتا ہے۔

"جہاں تک ان قرضوں کا تعلق ہے جو پیداواری مقاصد کے لئے حاصل کئے جائیں، میں نے کہا تھا کہ زکوٰۃ کی رقم متعین کرنے کے لئے ان قرضوں کو مقروض کے اثاثوں سے منہا نہیں کرنا چاہیئے۔ میں نے اس نقطہ کی وضاحت ایک مثال کے ذریعے کی تھی۔ اگر کوئی تاجر یا صنعتکار اپنے کاروبار میں دس ہزار یا دس لاکھ روپیہ اپنے پاس سے لگاتا ہے اور اس کاروبار کی توسیع کے لئے اتنی ہی رقم کسی بینک وغیرہ سے قرض لیتا ہے اور (زکوٰۃ کے سلسلے میں یہ عذر پیش کرتا ہے کہ) جتنا میرا اپنا سرمایہ ہے میں اتنے کا مقروض ہوں اس لئے میرا اثاثہ ایک پیسہ بھی نہیں جس پر زکوٰۃ واجب ہو، تو اس کا یہ عذر قابلِ قبول نہیں ہوگا (اس ضمن میں انہوں نے کئی ایک ائمہ فقہ کی آراء پیش کیں۔ انہوں نے کہا کہ) امام ابو حنیفہؒ کے ارشاد کے مطابق، زکوٰۃ کے مقصد کے لئے ہر قسم کے قرضہ کی رقم کو مقروض کے اثاثہ سے منہا

کیا جائے گا اور زکوٰۃ باقیماندہ مال پر واجب ہو گی۔ مصر جانے سے پہلے امام شافعیؒ کا بھی یہی خیال تھا لیکن اس کے بعد انہوں نے اپنے سابقہ خیال میں تبدیلی کی اور کہا کہ زکوٰۃ دینے والوں کے اثاثہ سے کسی قسم کے قرضہ کو بھی منہا نہیں کیا جائے گا۔ قرضہ کی منہائی کے سوال کے سلسلہ میں امام مالکؒ اموالِ باطنہ اور اموالِ ظاہرہ میں فرق کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اموالِ ظاہرہ سے تو قرضے منہا نہیں کئے جائیں گے لیکن اموالِ باطنہ سے انہیں منہا کر لیا جائے گا۔ (انہوں نے کہا کہ میں نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ) پاکستان کے موجودہ حالات میں جب کہ تجارت یا صنعت کا بیشتر کاروبار ان قرضوں پر مبنی ہوتا ہے جو بنک یا دیگر اقتصادی اداروں سے لئے جاتے ہیں' یہ کہنا بالکل مناسب ہو گا کہ امام شافعیؒ کے دوسرے خیال کے مطابق اُن قرضوں کو اثاثہ سے منہا نہیں کرنا چاہیئے اور زکوٰۃ پورے سرمایہ پر محسوب کرنی چاہیئے۔

جہاں تک بنکوں میں کرنٹ اکاؤنٹس کا تعلق ہے' ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ حالیہ آرڈیننس میں اسے زکوٰۃ دہندہ کی صوابدید پر چھوڑا گیا ہے کہ وہ خود فیصلہ کرے کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے یا نہیں۔

جہاں تک سیونگس اکاؤنٹ کا تعلق ہے' (ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ انہوں نے اپنی تقریر میں واضح کر دیا تھا کہ) اسلام کے ابتدائی ایام میں نقد مال (دولت) کو اموالِ باطنہ قرار دیا جاتا تھا۔ لیکن جو اقتصادی نظام دنیا میں اس وقت رائج ہے اس کے پیشِ نظر، اس قانون کا اطلاق ہر مقصد کے لئے مطلق طور پر نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کسی شخص (مسلمان) نے کچھ نقد روپیہ اپنے گھر میں یا بینک کے لاکر میں رکھا ہے جس کا اسے خود ہی علم ہے تو اسے اموالِ باطنہ میں شمار کیا جائے گا۔ لیکن جو روپیہ کسی سرکاری بنک کے سیونگ اکاؤنٹس یا فکسڈ ڈیپازٹ میں رکھا ہے' اس کی نوعیت بدل جاتی ہے وہ اموالِ باطنہ نہیں رہتا۔ اموالِ ظاہرہ ہو جاتا ہے۔

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ ایک اسلامی حکومت کو وہ کون سی اتھارٹی حاصل ہے جس کی رو سے وہ اموالِ باطنہ یا ظاہرہ سے زکوٰۃ وصول کرنے کی مجاز قرار پاتی ہے' تو (ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ انہوں نے اپنی تقریر میں اس امر کی وضاحت کر دی تھی)۔ حضور نبی اکرمؐ اور خلفائے راشدینؓ میں سے اوّل دو خلفاء حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں ان اموال میں (ظاہرہ و باطنہ کی) کوئی تخصیص نہیں تھی۔ اس تخصیص کو سب سے پہلے حضرت عثمانؓ کے زمانے میں انتظامی مقاصد کے پیشِ نظر تسلیم اور رائج کیا گیا۔ اس حقیقت کے باوجود کہ حضرت عثمانؓ نے اس تخصیص کو رائج کیا اور فقہا نے اسے بالعموم تسلیم کر لیا، ایک اسلامی مملکت کو اس کا کلیتہً حق حاصل ہے۔ کہ وہ اموالِ باطنہ پر بھی زکوٰۃ وصول کرے اگر وہ دیکھے کہ لوگ (اس مال پر) زکوٰۃ کو مستحقین میں تقسیم نہیں کرتے (یعنی ان لوگوں میں جنہیں شریعت مستحق تصور کرتی ہے)۔ یہ اس لئے کہ یہ اسلامی مملکت کا اوّلین فریضہ ہے کہ وہ دیکھے کہ مسلمان فرامینِ خداوندی پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ (ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اس نقطہ کی وضاحت کرتے ہوئے میں نے کہا تھا کہ) جن مسلمانوں کو اس کی اجازت دی جاتی ہے کہ وہ زکوٰۃ کو مستحقین میں خود تقسیم کر دیں' وہ درحقیقت حکومت کے ایجنٹ ہونے کی حیثیت سے ایسا کرتے ہیں۔ یعنی وہ لوگ جنہیں حکومت اس کا اختیار دیتی ہے کہ وہ حکومت کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کا فریضہ ادا کریں۔

نابالغوں کے اثاثوں سے زکوٰۃ وضع کرنے کے سوال کے متعلق ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ فقہ حنفی اور فقہ جعفری کی رو سے صرف بالغوں پر زکوٰۃ واجب ہے لیکن امام مالکؒ اور امام شافعیؒ

کے نقطہ نگاہ کے مطابق نابالغوں اور فاتر العقل لوگوں پر بھی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ ایسا نظر آتا ہے کہ زکوٰۃ سے متعلق آرڈی ننس میں امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نقطہ نگاہ کی پیروی کی گئی ہے۔

اپنے اختباری بیان کے آخر میں ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ انہوں نے اپنی پریس کانفرنس میں سامعین اور ارباب اقتدار کی توجہ حضور نبی اکرمؐ کی ایک حدیث کی طرف دلائی تھی جس میں ارشاد ہے کہ جبر و اکراہ سے زکوٰۃ وصول کرنے والے کی کیفیت اس شخص کی سی ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہو لیکن وہ اس کی ادائیگی میں رکاوٹیں پیدا کرے۔ انہوں نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ جو صاحب نصاب زکوٰۃ کی ادائیگی میں رکاوٹیں پیدا کرتا ہے وہ ایک ایسے کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے جو بعض حالات میں کفر کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ یعنی اسلام کے ایک بنیادی ستون کا انکار۔ اسی طرح، اس حدیث کی رو سے، جو صاحب اقتدار جبر و اکراہ سے زکوٰۃ وصول کرے اس کا شمار بھی اسی زمرہ میں ہوتا ہے۔ اس بنا پر انہوں نے حکومت اور زکوٰۃ کمیٹیوں کے چیئرمینوں کو، جنہیں عشر وصول کرنے کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے، مشورہ دیا تھا کہ وہ اس باب میں کوئی ایسا طریق کار اختیار نہ کریں جس سے مسلمانوں پر جبر و اکراہ ہوتا ہو۔ اسی طرح انہوں نے زکوٰۃ کمیٹیوں کے ممبروں اور چیئرمینوں کو یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ وہ مستحقین میں زکوٰۃ اس طرح تقسیم نہ کریں کہ اس کے لئے تقاریب منعقد کی جائیں۔ ان تقاریب کے فوٹو اتروائے جائیں اور انہیں اخبارات اور ٹیلی ویژن کے ذریعے شائع کر کے ان کی عام تشہیر کی جائے۔ یہ طریق کار، تقسیم زکوٰۃ کی روح کے سخت خلاف ہوگا۔ انہوں نے اس بات پر بڑا زور دیا تھا کہ مستحقین زکوٰۃ کی عزت نفس کا خاص خیال رکھا جائے۔ اور وہ کسی طرح بھی مجروح نہ ہونے پائے۔" (پاکستان ٹائمز۔ راولپنڈی۔ ۲۲ جولائی ۱۹۸۰ء)۔

نظریاتی کونسل کی وضاحت

ڈاکٹر صاحب کے مندرجہ بالا بیان کی اشاعت کے دوسرے روز، اسلامی نظریاتی کونسل کے ایک ترجمان نے اخبارات میں حسب ذیل بیان شائع کیا:۔

کونسل کی توجہ بعض اخبارات کے اداریوں میں شائع شدہ اس تبصرہ کی جانب منعطف کرائی گئی ہے جس میں بینکنگ اکاؤنٹوں میں اصل اور سود کی مجموعی رقم پر زکوٰۃ آرڈیننس کے تحت کٹوتی کے بارے میں اظہار خیال کیا گیا ہے اور اس ضمن میں کونسل کے چیئرمین سے منسوب ایک اخباری خبر کو بنیاد بنایا گیا ہے کہ سود سے وضع کردہ رقم زکوٰۃ نہیں بلکہ صدقہ ہے۔ چونکہ اس سے عوام الناس میں مغالطہ پیدا ہوا ہے اس لئے صورت حال کی وضاحت ضروری ہے۔ واقعہ یہ ہے پاکستان نیشنل سنٹر اسلام آباد میں تقریب کے موقع پر جب ایک شخص نے یہ سوال کیا تو چیئرمین صاحب نے ایڈمنسٹر جنرل زکوٰۃ جناب عرفان احمد امتیازی صاحب سے کہا کہ وہ سوال کرنے والے کو مطلع فرمائیں کہ آیا کٹوتی اصل رقم سے گئی ہے یا سود سے بھی؟ جناب امتیازی صاحب نے جواب دیا کہ ہم نے کھاتہ دار کے حساب میں ۲۲ تاریخ کو جو مجموعی رقم جمع تھی اس سے کٹوتی کی ہے اگر اس میں سود شامل تھا تو سود کی رقم سے بھی ڈھائی فیصد کٹ گیا۔ (ملاحظہ ہو ڈان کراچی مورخہ ۲۱ جولائی ۱۹۸۰ء)

اس کے بعد چیئرمین صاحب نے فرمایا کہ فقہی لحاظ سے زکوٰۃ فرض ہے اور فقہا نے لکھا ہے کہ حرام مال سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ بلکہ حرام مال سب کا سب واجب التصدق ہوتا ہے۔ اس لئے اگر سود میں سے زکوٰۃ کاٹی گئی ہے تو وہ زکوٰۃ نہیں بلکہ بلانیت ثواب صدقہ یا عطیہ سمجھا جائے، کیونکہ حرام مال کو صدقہ کر دینے سے ثواب نہیں ہوتا بلکہ یہ عطیہ شائد اس گناہ کا کفارہ ہو جائے جس کا وہ شخص حرام مال حاصل کر کے مرتکب ہوا ہے۔ اس سلسلے میں چیئرمین صاحب نے علامہ ابن نجیم (متوفی ۹۷۰ھ) کی مشہور کتاب البحر الرائق کا حوالہ بھی دیا تھا اور یہ بات انہوں نے پہلی بار نہیں کہی۔ اس سے پہلے، اور ۸ جولائی ۱۹۸۰ء کے ٹی وی کے انٹرویو میں بھی وہ یہی بات سود کی رقم سے کٹوتی کے بارے سوالات کے جواب میں فرما چکے ہیں۔ اس موضوع پر ملاحظہ ہو ان کی کتاب مجموعۂ قوانینِ اسلام جلد پنجم صفحات ۱۶۰۴ و ۱۶۰۵۔ اصل میں تمام قصور مختصر رپورٹنگ کا ہے کہ پوری بات سمجھے بغیر درمیان سے ایک آدھ فقرہ لے کر بات کو آگے بڑھا دیا جائے۔

روزنامہ جنگ، راولپنڈی ۲۴ جولائی ۱۹۸۰ء

اس بیان میں اخبارات کے جس اداریہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ (غالباً) نوائے وقت (راولپنڈی) بابت ۲۳ جولائی میں شائع شدہ ہے جسے درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

"اسلامی مشاورتی کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن بلاشبہ ایک عالم و فاضل شخصیت ہیں۔ عام طور پر تصور کیا جاتا ہے کہ وہ علومِ اسلامیہ پر کافی دستگاہ رکھتے ہیں، لیکن ان کا یہ تازہ بیان کہ بنکوں میں پڑی رقوم کے سود پر زکوٰۃ کی مد میں وضع کردہ رقوم کو صدقہ تصور کیا جائے گا ابہام پیدا کرنے کا موجب بنا ہے ـــــ زکوٰۃ اور صدقہ دو مختلف مدیں ہیں، زکوٰۃ ہر صاحبِ نصاب سے لازماً وصول کرنا حکومت کا فرض ہے لیکن صدقات وصول نہیں کئے جاتے نہ ان کے لئے کوئی نصاب مقرر ہے بلکہ صدقہ تو ایک رضاکارانہ فعل ہے۔ کوئی بھی مسلمان اپنے مال میں سے خواہ اس کی تعداد کچھ ہی ہو اپنی مرضی کا حصہ بطورِ صدقہ دے سکتا ہے۔

"جب صدرِ مملکت یہ واضح اعلان کر چکے ہیں کہ زکوٰۃ سود کی رقوم سے وضع نہیں کی جائے گی تو پھر اس ضمن میں ایسا بیان جاری کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ زکوٰۃ پاک اور طیب ہونی چاہئے۔ کم از کم اس آمدنی سے جو سود کے زمرے میں آتی ہو اور جس کے سود ہونے میں کوئی شبہ بھی نہ ہو وضع کردہ اڑھائی فیصد کو کس طرح زکوٰۃ یا صدقہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ صدقہ تو نام ہی اس چیز کا ہے جو ہر قسم کی آلائش سے پاک ہو اور یہاں تو سراسر آلائش کو صدقہ قرار دیا جا رہا ہے۔ ملک کے بنکوں میں جمع شدہ رقوم کے مجموعی سود پر چند لاکھ روپے سے زیادہ زکوٰۃ یا بقول ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن "صدقہ" جمع نہیں ہوگا۔ اجتہاد کی ضرورت اپنی جگہ لیکن ایسے اجتہاد کی اجازت اسلام ـــــ اسلامی مشاورتی کونسل کے چیئرمین کو بھی نہیں دیتا، جس میں سود کی رقم کو صدقہ تصور کر لیا جائے۔ اس طرح کی باتوں سے ابہام ہی نہیں پھیلے گا، مشاورتی کونسل کا ادارہ بھی بدنام ہوگا اور یہ بات بھی عام ہوگی کہ صاحبِ صدر کی بات کا بھی پاس نہیں کیا گیا۔"

نوائے وقت نے جو لکھا ہے کہ "صدرِ مملکت واضح طور پر اعلان کر چکے ہیں کہ زکوٰۃ سود کی رقم سے نہیں کاٹی جائے گی" تو اس کے سامنے صاحبِ صدر کا وہ اعلان ہوگا جو روزنامہ جنگ (راولپنڈی) کی ۱۶ جولائی کی اشاعت میں شائع

ہوا تھا اور جس میں انہوں نے کہا تھا کہ

یہ کہنا بھی قطعی پراپیگنڈہ ہے کہ حکومت نے زکوٰۃ سود کی رقم میں سے کاٹی ہے۔ صدرِ پاکستان نے کہا کہ بینکوں نے زکوٰۃ، کل رقم میں سے نہیں بلکہ اصل رقم میں سے کاٹی ہے۔

اس کے برعکس زکوٰۃ کے ایڈمنسٹریٹر جنرل جناب عرفان احمد امتیازی صاحب نے (اپنے اس بیان میں جسے پہلے درج کیا گیا ہے) واضح الفاظ میں کہا ہے کہ

ہم نے کھاتہ دار کے حساب میں ۱۲ر تاریخ کو جو مجموعی رقم جمع تھی اس سے کٹوتی کی ہے۔ اگر اس میں سود شامل تھا تو سود کی رقم سے بھی ڈھائی فیصد کٹ گیا۔

اور اس کی شہادت پر وہ کھاتہ دار اور اس کا بینک دے گا جس کے حساب سے زکوٰۃ کی رقم کاٹی گئی تھی۔

مفتی نعیمی صاحب کا تبصرہ

ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن کے بیان پر اسلامی نظریاتی کونسل کے سابق رکن (جنہوں نے رکنیت سے خود استعفیٰ دے دیا تھا) کا ایک تبصرہ شائع کیا ہے جسے ہم روزنامہ جنگ (راولپنڈی) کی اشاعت بابت ۲۸ر جولائی ۱۹۸۰ء سے درج ذیل کرتے ہیں:-

"ممتاز عالمِ دین مولانا مفتی محمد حسین نعیمی نے کہا ہے کہ کرنٹ اکاؤنٹ اور نابالغ افراد کے حسابات سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جا سکتی انہوں نے آج ایک بیان میں زکوٰۃ اور عشر کے بارے میں ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن کے بیانات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ سود کی رقم سے زکوٰۃ کی ادائیگی کو صدقہ یا عطیہ قرار دینا درست نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ حرام اور ناجائز ذرائع سے کمائی ہوئی دولت کو فی سبیل اللہ خرچ کرنا اور اسے صدقہ قرار دینا صدقہ کی حقیقت اور اس کے مفہوم کے خلاف ہے۔ انہوں نے کہا کہ سود جو قطعی حرام ہے اس پر صدقہ کا اطلاق کرنا حرام کو حلال کرنے کے مترادف ہے۔ فقہائے کرام نے تصریح کی ہے کہ سود کی رقم اصل مالک کو واپس کرنا ضروری ہے اسی طرح ہر حرام آمدنی بشرطیکہ اس کے مالک کا اتہ پتہ ہو اس کا واپس کرنا واجب ہے۔ ایسی رقم کسی دوسرے شخص کو دینا جائز نہیں ہے انہوں نے کہا کہ کرنسی نوٹوں کے لئے چاندی کے نصاب کو بنیاد قرار دینا درست نہیں ہے۔ کیونکہ کرنسی نوٹ بنیادی طور پر سونے کے متبادل ہیں اور کسی ملک میں بھی چاندی کرنسی کا بدل نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ کرنٹ اکاؤنٹ پر زکوٰۃ وصول کرنے کی جو سفارش کی گئی ہے وہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ کرنٹ اکاؤنٹ میں عام طور پر وہی رقم رکھی جاتی ہے جسے دیر تک رکھنا متصور نہ ہو اور زکوٰۃ کے واجب ہونے کے لئے رقم کا ایک سال تک جمع ہونا ضروری ہے۔ انہوں نے اس تجویز سے بھی اتفاق نہیں کیا کہ نابالغ افراد کے اکاؤنٹ پر اس لئے زکوٰۃ وصول کی جائے کہ لوگ زکوٰۃ سے بچنے کے لئے نابالغوں کے نام پر رقوم جمع کرائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ زکوٰۃ کی وصولیابی میں گرمجوشی کی وجہ سے کسی سے زیادتی اور ظلم نہیں ہونا چاہئے۔ اس لئے اس سلسلے میں اپنی رائے اور اجتہاد کو ترجیح دینے کی بجائے شریعت کو ملحوظ رکھا جائے۔"

(بحوالہ روزنامہ جنگ (راولپنڈی) بابت ۲۸ر جولائی ۱۹۸۰ء)

رسالہ کی ترتیب و طباعت میں وقت کی تحدید کے پیشِ نظر ہم ان بیانات کا سلسلہ سرِدست یہیں تک محدود رکھتے ہیں۔

چند سوالات

اب ہم صدر اسلامی نظریاتی کونسل محترم ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن سے چند سوالات دریافت کرنے کی جرأت کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے شروع میں لکھا ہے، ان سوالات کی نوعیت اعتراضات کی نہیں۔ مقصد ان سے چند ایک نکات کی مزید وضاحت ہے تاکہ ایک ایسے اہم مسئلہ میں جسے اسلام کا ایک ستون قرار دیا جاتا ہے، کسی قسم کا ابہام یا التباس نہ رہ جائے۔ ہمیں اُمید ہے کہ ڈاکٹر صاحب، اپنے منصب کی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے، ان سوالات کا متعین جواب ارشاد فرمادیں گے جنہیں طلوعِ اسلام میں شائع کر دیا جائے گا۔

۱۔ اسلامی مملکت کسے کہتے ہیں؟

آپ نے فرمایا ہے کہ اسلامی مملکت کو یہ حق حاصل ہے اور وہ حق... سوال یہ ہے کہ اسلامی مملکت کسے کہتے ہیں اور ایک اسلامی مملکت اور غیر اسلامی مملکت میں حدِ امتیاز کیا ہے؟ ہمیں اُمید ہے کہ ڈاکٹر صاحب، روشِ عامہ کی تقلید میں یہ نہیں فرمائیں گے کہ اسلامی مملکت وہ ہے جس میں اسلامی احکام نافذ ہوں، اور اسلامی احکام وہ ہیں جنہیں اسلامی مملکت نافذ کرے؟ اس سے یہ سوال سامنے آجائے گا کہ کسی حکم یا فیصلہ کے اسلامی ہونے کی سند (اتھارٹی) کیا ہے۔ جواب ایسا ہونا چاہیئے جو قانونی طور پر قابلِ قبول ہو اور جس کا اطلاق تمام مسلمانوں پر یکساں ہو سکے۔ "خدا اور رسول" اور "کتاب و سنت" جیسی اصطلاحات کا مفہوم تو ہر فرقہ الگ الگ لیتا ہے۔

(ii) کیا آپ کے نزدیک ممالکِ اسلامیہ میں اس وقت کسی جگہ اسلامی حکومت قائم ہے؟ یہ ظاہر ہے کہ محض مملکت کا نام "اسلامیہ جمہوریہ" رکھ لینے سے تو کوئی مملکت اسلامی نہیں بن جاتی۔

(۲) اسلامی مملکت کا حق یا اختیار

آپ نے فرمایا ہے کہ اسلامی مملکت کو اس کا حق حاصل ہے کہ وہ زکوٰۃ وصول کرے۔ کیا آپ اس کے لئے اتھارٹی پیش فرمائیں گے؟

۳۔ شریعت کسے کہتے ہیں؟

آپ نے فرمایا ہے کہ زکوٰۃ کی رقم ان مصارف پر صرف کی جانی چاہیئے جو شریعت میں دیئے گئے ہیں، اس سے حسبِ ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں:-

(i) شریعت کسے کہتے ہیں؟

(ii) کیا کوئی ایسی کتاب ہے جس میں وہ شریعت درج ہو جسے تمام مسلمان متفقہ طور پر اسلامی شریعت تسلیم کرتے ہوں؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہر فرقہ کی اپنی اپنی شریعت ہے جسے وہ اسلامی کہہ کر پکارتے ہیں۔ کیا دینِ خداوندی کا یہی منشا تھا اور عہدِ رسالتمآبؐ میں بھی اسی قسم کی مختلف شریعتیں تھیں؟

(iii) آپ نے فرمایا ہے کہ زکوٰۃ ان مصارف پر صرف کی جائے جنہیں شریعت نے مقرر کیا ہے؟ اس کی

تفصیل اور اتھارٹی مطلوب ہے۔

۴۔ ائمہ فقہ کی پوزیشن

آپ نے اپنے ارشادات میں ائمہ فقہ (امام ابوحنیفہؒ۔ امام شافعیؒ۔ امام مالکؒ) کی آراء اور اقوال کو اتھارٹی کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ ان حضرات کے احترام کے باوصف اسے تو آپ بھی تسلیم کرتے ہوں گے کہ یہ حضرات (یا ختمِ نبوت کے بعد کوئی انسان) مامور من اللہ نہیں تھے، نہ ہی ان کے اقوال اور خیالات وحیِ خداوندی تھے۔ کیا اس کے بعد آپ فرمائیں گے کہ ان حضرات کو وہ کون سی اتھارٹی حاصل تھی جس کی بنا پر ان کے خیالات اور آراء کی پابندی امت کے لئے قیامت تک احکامِ خداوندی کی طرح لازم قرار پا گئی ـــــ ان کی وہ آراء جن کی ایک مثال خود آپ نے درج فرمائی ہے کہ امام شافعیؒ مصر جانے سے پہلے جو رائے رکھتے تھے، مصر جانے کے بعد انہوں نے اسے تبدیل کر لیا اور اس کے بالکل متضاد رائے اختیار کر لی۔ کیا فقہیوں کی اس طرح بدلنے والی آراء، غیر متبدل اسلامی احکام کی حیثیت حاصل کر سکتی ہیں؟

۵۔ رسول اللہؐ کے فیصلوں میں تبدیلی

آپ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہؐ اور اولیں دو خلفاءؓ کے زمانے میں اموالِ ظاہرہ اور باطنہ میں تفریق نہیں تھی یہ تفریق تیسرے خلیفہ (حضرت عثمانؓ) کے زمانے میں رائج ہوئی جسے فقہا نے اختیار کر لیا اور وہ امت میں متداول چلی آ رہی ہے۔ کیا آپ فرمائیں گے کہ کسی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ عہدِ رسالت مآبؐ کے فیصلوں (حضورؐ کی سُنّت) میں تبدیلی کر دے اور وہ تبدیلی اُمت کے لئے شریعتِ اسلامیہ قرار پا جائے۔ یہ سوال بڑا اہم اور بنیادی ہے۔

۶۔ اموالِ باطنہ اور ظاہرہ

آپ نے فرمایا ہے کہ کرنٹ اکاؤنٹ اموالِ باطنہ کے ذیل میں آتا ہے اس لئے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی لیکن فکسڈ ڈیپازٹ اور سیونگز اکاؤنٹ، اموالِ ظاہرہ ہیں اس لئے مستوجب زکوٰۃ ہیں۔ (بحوالہ روزنامہ جنگ، راولپنڈی مورخہ ۲۵ جولائی ۱۹۸۱ء) ۔ علاوہ اس کے کہ کرنٹ اکاؤنٹ۔ سیونگز اکاؤنٹ یا فکسڈ ڈیپازٹ، ظاہرہ اور باطنہ اموال کی حیثیت سے یکساں ہیں، سوال یہ ہے کہ آپ کو اس تفریق کا حق کیسے حاصل ہوگیا کہ فلاں اکاؤنٹ پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور فلاں پر نہیں؟ خیال رہے کہ چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل کے اس قسم کے خیالات ان قوانین کی حیثیت اختیار کر سکتے ہیں جنہیں اسلامی کہہ کر منوایا جاتا ہے۔ اس قسم کے خیالات کے لئے کوئی اتھارٹی یا ایسی دلیل ہونی چاہیئے جو کسی محکم اتھارٹی سے مستنبط ہو۔ اگلے دنوں جب صدرِ پاکستان سے کسی صاحب نے کہا کہ زکوٰۃ کرنٹ اکاؤنٹ پر بھی کاٹی جائے، تو انہوں نے اس کے جواب میں یہ نہیں فرمایا کہ شریعت کی رو سے اس اکاؤنٹ پر زکوٰۃ واجب نہیں، انہوں نے کہا یہ کہ سرِدست وہ موجودہ حدود میں توسیع نہیں کرنا چاہتے (پاکستان ٹائمز۔ راولپنڈی۔ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۸۱ء) ۔ نیز یہ کہ "اگر وہ کرنٹ اکاؤنٹ سے زکوٰۃ کاٹ لیں تو لوگ ان کی کھال اتارنے کو تیار ہو جائیں" (روزنامہ جنگ۔ راولپنڈی۔ مورخہ ۲۵ جولائی ۱۹۸۱ء) ۔

۷۔ چاندی بطورِ نصابِ زکوٰۃ

احکامِ زکوٰۃ کے سلسلہ میں بتایا جاتا ہے کہ نبی اکرمؐ نے ۲۰۰ تولے سونا یا ۲۰۰ تولے چاندی نصاب مقرر فرمائی تھی۔ آپ نے کہا ہے کہ "میرے خیال میں زکوٰۃ کی تشخیص کے لئے چاندی کی مالیت بہتر پیمانہ ہے"۔ کیا آپ فرمائیں گے کہ ارشاداتِ نبویؐ میں اس قسم کی ترجیحات کا حق کس کو حاصل ہے؟ اور اگر حق حاصل ہے تو کیسے؟

۸۔ سود کی رقم پر زکوٰۃ

آپ نے بھی فرمایا ہے اور نظریاتی کونسل نے بھی اس کی تصریح کی ہے کہ سود کی رقم سے کاٹی ہوئی زکوٰۃ صدقہ متصور ہوگی۔ بلکہ یہ کہ حرام مال سب کا سب واجب التصدق ہوتا ہے۔ اس کی سند میں (ایک فقیہہ) علامہ ابن نجیم کو بطور استشہاد پیش کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں دو اہم سوال پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی یہ کہ

(i) اللہ تعالےٰ نے ربوٰ کو بہ نص صریح حرام قرار دیا ہے اور حرام بھی ایسا کہ اس جرم کے مرتکبین کے خلاف خدا اور رسولؐ کی طرف سے اعلانِ جنگ کی وعید کی ہے۔ اور

(ii) انفاق فی سبیل اللہ کے لئے شرط یہ عائد کی گئی ہے کہ اسے طیب (حلال اور پاک) ہونا چاہیئے (۲/۲۶۷) صدقہ، انفاق فی سبیل اللہ کی اہم شق ہے۔

کیا ان ارشاداتِ خداوندی کی موجودگی میں، سود کے مال کو صدقہ قرار دیا جا سکتا ہے؟ سوچئے کہ یہ بڑا اہم سوچنے کا مقام ہے!

۹۔ جبری زکوٰۃ

آپ نے فرمایا ہے کہ جو صاحبِ اقتدار جبری زکوٰۃ وصول کرتا ہے اس کا شمار ان لوگوں میں ہو جاتا ہے جو زکوٰۃ ادا کرنے کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں اور (رسولؐ اللہ کی ایک حدیث کی رو سے) یہ ایسا سنگین جرم ہے جو بعض اوقات انسان کو کفر کی حد تک پہنچا دیتا ہے۔

جس طریق سے حالیہ زکوٰۃ وصول کی گئی ہے ظاہر ہے کہ اس میں کسی قدر جبر کا عنصر تھا۔ اس کا اعتراف خود صدرِ مملکت نے بھی کیا ہے جب ایک سوال کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ

> ہم نے جبری زکوٰۃ جیبوں سے وصول کرنے کا چھوٹا سا طریق نکالا ہے۔ میں اس میں فی الحال توسیع نہیں کرنا چاہتا جو اختلافِ رائے پیدا ہو گیا ہے اس کو مزید ابھارنا نہیں چاہتا۔ ہمیں ایسا نظام چاہیئے جس پر لوگوں کو اعتراض نہ ہو۔ (روزنامہ جنگ۔ راولپنڈی۔ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۸۰ء)

کیا آپ فرمائیں گے کہ آپ نے یا اسلامی نظریاتی کونسل نے موجودہ جبری طریق سے زکوٰۃ وصول کرنے کے ضمن میں ارباب اقتدار کی توجہ محولہ بالا حدیثِ نبویؐ کی طرف دلائی تھی؟

چونکہ ابھی بہت سی مدات سے زکوٰۃ وصول کرنا باقی ہے (مثلاً فکسڈ ڈیپازٹ وغیرہ) اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس طریق کی وضاحت کی جائے جس میں جبر کا شائبہ نہ ہو۔

۱۰۔ تقسیم زکوٰۃ کی تشہیر

آپ نے فرمایا ہے کہ تقاریب منعقد کر کے فوٹو اتروا کر، انہیں اخبارات میں شائع کرا کر، زکوٰۃ تقسیم کرنا، اس مقدس فریضہ کی روح کے منافی ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ تقسیم زکوٰۃ کے سلسلہ میں یہ سب کچھ کیا جا رہا ہے۔ کیا آپ نے ذمہ دار حضرات کو اس سے منع کیا ہے؟

۱۱۔ خدا اور رسول کے احکام کی مثل

صدرِ مملکت نے اپنے اس کھلے خط میں جو انہوں نے ۲۴ جولائی کو زکوٰۃ کمیٹیوں کے نام بھیجا ہے، لکھا ہے کہ اس ذاتی خط لکھنے کا مقصد آپ کو یہ یاد دلانا بھی ہے کہ زکوٰۃ اور عشر کا قانون اگرچہ حکومت نے جاری کیا ہے لیکن یہ دراصل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کا حکم ہے جس کی تعمیل ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے۔ اور عدم تعمیل ایک عظیم گناہ ہے۔ (جنگ۔ راولپنڈی۔ ۲۵ جولائی ۱۹۸۰ء)

کیا آپ اس سے متفق ہیں کہ حکومت کی طرف سے جاری کردہ زکوٰۃ آرڈیننس خدا اور رسول کا حکم ہے جس کی تعمیل ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے؟

قرآنی قوانین

للہ الحمد کہ پرویز صاحب کی تازہ ترین تصنیف —— قرآنی قوانین —— ملک میں بے حد مقبول ہو رہی ہے اور اس کی افادیت نکھر کر سامنے آ رہی ہے۔ اس سے نظر آتا ہے کہ اس کا پہلا ایڈیشن جلد ختم ہو جائے گا۔ اگر آپ نے اسے ابھی تک حاصل نہیں کیا تو جلدی منگوا لیجئے۔

قیمت فی جلد (مجلد) بیس/۲۰ روپے (علاوہ محصول ڈاک)

ملنے کا پتہ ✱

ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵ بی گلبرگ ۲ لاہور ○ مکتبہ دین و دانش چوک اُردو بازار لاہور

ضروری تصحیح طلوعِ اسلام بابت اگست ۱۹۸۰ء صفحہ ۲۲ پر آیت اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْ اَنْفُسِكُمْ (۳۰/۸) میں اَنْفُسِهِمْ پڑھئے اور ترجمہ لیں "کیا ان لوگوں نے کبھی اپنے آپ پر بھی غور کیا ہے"

زکوٰۃ

(قرآنِ مجید کی روشنی میں)

لفظ زکوٰۃ (مادہ ز۔ک۔و) کے بنیادی معنی بڑھنا۔ پھولنا۔ پھلنا۔ نشوونما پانا ہیں۔ لغات میں ہے۔ زَکَا الْمَالُ وَالزَّرْعُ۔ مال مویشی اور کھیتی باڑی کا بڑھنا۔ پھولنا۔ پھلنا۔ زَکَا الرَّجُلُ یَزْکُوْ۔ آدمی آسودہ اور خوشحال ہوگیا۔ اس کی صلاحیتوں میں نشوونما آگئی، اس کی زندگی سرسبز و شاداب ہوگئی۔ امام راغبؒ نے اس کے یہ معنی لکھ کر اس کی مثال میں قرآنِ کریم کی یہ آیت درج کی ہے۔ فَلْیَنْظُرْ اَیُّهَآ اَزْکٰی طَعَامًا۔ (۱۸/۱۹) "(بازار جاؤ اور) یہ دیکھو کہ کونسا کھانا ایسا ہے جس میں نشوونما دینے کی زیادہ صلاحیت ہے۔ جو زیادہ (NUTRITIOUS) ہے۔"

لہٰذا، لفظ زکوٰۃ کے معنی بڑھنا۔ بالیدگی حاصل کرنا۔ نشوونما پانا ہیں۔ اس کے معنی پاکیزگی کے بھی آتے ہیں۔ غالباً اس لئے کہ درختوں کی نشوونما کے لئے ان کی شاخ تراشی کی جاتی ہے۔ یعنی ان سے جھاڑ جھنکار دُور کیا جاتا ہے۔

لیکن یہ اس کے بنیادی معنی نہیں۔ چنانچہ خود قرآنِ کریم میں، ایک ہی آیت میں اَزْکٰی اور اَطْهَرُ کے الفاظ الگ الگ آئے ہیں ـــــ اَزْکٰی لَکُمْ وَاَطْهَرُ (۲/۲۳۲) اس میں اَطْهَرُ کا لفظ پاکیزگی کے لئے آیا ہے۔ اور اَزْکٰی کا لفظ نشوونما کے لئے۔ (یہی دونوں لفظ ۹/۱۰۳ میں بھی آئے ہیں۔) پاکیزگی ایک سلبی صفت ہے۔ یعنی نقائص اور خرابیوں سے دور رہنا۔ لیکن زکوٰۃ ایجابی صفت ہے۔ یعنی بڑھنا۔ پھولنا۔ پھلنا۔ نشوونما پانا۔ صاحبِ محیط نے بیضاوی کے حوالے سے، اَلزَّکِیُّ کے معنی لکھے ہیں، خیر و خوبی کے ساتھ بڑھنے والا۔ عمدہ صلاحیتوں کے ساتھ ایک عمر سے دوسری عمر تک پہنچنے والا۔ اَرْضٌ زَکِیَّةٌ کے معنی ہیں زرخیز زمین جس میں خوب نشوونما ہو۔ (حوالوں کے لئے پرویز صاحب کی لغات القرآن دیکھئے۔)

اِن تصریحات سے واضح ہے کہ الزکوٰۃ کے معنی ہیں وہ سامان جس سے انسان کی نشوونما ہو۔ ظاہر ہے کہ "نشوونما" میں انسانی جسم اور اس کی صلاحیتوں، دونوں کی نشوونما شامل ہوگی۔

قرآنِ کریم میں اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّکٰوةَ (۲/۴۳) کے الفاظ (مختلف صیغوں میں) بکثرت آئے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ مومنین کی صفت یا ذمہ داری اقامتِ صلوٰۃ (نظامِ صلوٰۃ قائم کرنا) اور ایتائے

زکوٰۃ (زکوٰۃ دینا) ہے۔ اقامتِ صلوٰۃ الگ موضوع ہے۔ اس سے ہم سرِدست صرفِ نظر کرتے ہوئے اپنے آپ کو ایتائے زکوٰۃ تک محدود رکھتے ہیں۔

قرآن کریم کی اس اصطلاح کا مفہوم سمجھنے کے لئے، اس کے معاشی نظام کا سمجھنا ضروری ہے۔ اس کے متعلق ہم صدہا صفحات لکھ چکے ہیں، اور پرویز صاحب کی مستقل تصنیف، نظامِ ربوبیت، گویا اس کا صحیفہ ہے۔ یہاں ہم مختصر الفاظ میں اس نظام کی بنیادی خصوصیات بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۱) قرآن مجید میں ہے:۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ..... (۱۱/۶)

سطحِ ارض پر کوئی ذی حیات ایسا نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری اللہ پر نہ ہو۔ اس میں انسان اور دیگر جاندار سب شامل ہیں۔ خاص انسانوں کے متعلق فرمایا:۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ (۱۷/۳۱) (۶/۱۵۲)

تم افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد (کی صلاحیتوں) کو کچل نہ دیا کرو۔ ہم تمہارے رزق کے بھی ذمہ دار ہیں اور تمہاری اولاد کے رزق کے بھی۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے سلسلے میں جو ذمہ داریاں لے رکھی ہیں، وہ انہیں براہِ راست خود پوری نہیں کرتا۔ وہ ذمہ داریاں وہ نظام پوری کرتا ہے جو اس کے نام پر قائم کیا جاتا ہے۔ اسے اسلامی مملکت بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ اس نے اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے کہ خدا، انسانوں کو براہِ راست رزق پہنچائے گا۔ اس کے لئے انسانوں کے کرنے کا کوئی کام نہیں، فرمایا:۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۔ (۳۶/۴۷)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو سامانِ زیست تمہیں خدا نے عطا کیا ہے اسے حاجتمندوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے کھلا رکھو، تو کفار، ایمان والوں سے کہتے ہیں کہ اگر خدا کا یہی منشا تھا کہ رزق کی تقسیم اس طرح سے ہو کہ دنیا میں کوئی بھوکا نہ رہے تو اس نے خود ہی ایسا انتظام کیوں نہ کر دیا۔ ان سے کہو کہ تم ایسا سمجھنے میں کس قدر گمراہی اختیار کرتے ہو۔ (خدا اپنی ذمہ داریاں براہِ راست پوری نہیں کرتا۔ انسانوں کے ہاتھوں پوری کرایا کرتا ہے)۔

چنانچہ اسلامی نظام کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ایسا انتظام کرے جس سے تمام افرادِ معاشرہ کو سامانِ زیست مہیا ہوتا رہے۔ اسی حقیقت کو ایک روایت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ (حضورؐ نے فرمایا کہ) جس بستی میں کوئی ایک فرد بھی رات کو بھوکا سو گیا خدا نے اس بستی سے اپنی حفاظت کی ذمہ داری اٹھالی۔

(۳) قرآن کریم نے اسلامی نظام (یا مملکت) کی اس ذمہ داری کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ط وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ۔ (۲۲/۴۱)

یہ (مومنین) وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم نے انہیں ملک میں حکومت عطا کر دی، انہیں اقتدار حاصل ہو گیا تو یہ نظامِ صلوٰۃ قائم کریں گے اور تمام نوعِ انسانی کے لئے زکوٰۃ (سامانِ نشوونما) مہیا کریں گے۔ ان احکام کو نافذ کریں گے جنہیں قرآن صحیح قرار دیتا ہے۔ ایسے کاموں سے روکیں گے جنہیں وہ جائز قرار نہیں دیتا۔ غرضیکہ وہ ہر پیش آنے والے معاملہ کے متعلق دیکھیں گے کہ اس باب میں خدا کا قانون کیا کہتا ہے۔

یہاں ہم، قطعِ نظر دیگر امور، زکوٰۃ کے متعلق بات کریں گے۔ قرآن کریم نے کہا ہے کہ

(i) ایتائے زکوٰۃ کا فریضہ جماعتِ مومنین کی اپنی آزاد مملکت میں ہی ادا ہو سکتا ہے۔ (پاکستان کے حصول کا یہی مقصد تھا)۔

(ii) یہاں کہا گیا ہے کہ اسلامی مملکت افرادِ معاشرہ کو "زکوٰۃ دے گی"۔ (اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ۔ یعنی سامانِ نشوونما مہیا کرے گی) قرآنِ مجید میں کسی جگہ بھی یہ نہیں کہا گیا کہ وہ لوگوں سے "زکوٰۃ" لے گی۔ سارے قرآن میں "زکوٰۃ دو" ۔ "زکوٰۃ دو" کے الفاظ آئے ہیں۔ اس سے اسلامی مملکت کو اس کے اس اہم فریضہ کی ادائیگی کی تاکید کی گئی ہے۔ یعنی ان سے کہا گیا ہے کہ افرادِ معاشرہ کے لئے سامانِ نشوونما مہیا کرو۔ خدا نے جو ذمہ داری اپنے اوپر لے رکھی ہے، اسے پورا کرو۔

(۴) جب کسی خطۂ ارض پر یہ نظام قائم ہو جائے گا جس کی رُو سے تمام افرادِ معاشرہ کی ضروریاتِ زندگی اور سامان و ذرائع نشوونما کا مہیا کرنا، حکومت کے ذمے ہو گا، تو افرادِ معاشرہ کو روپیہ اپنے پاس رکھنے اور جمع کرنے کی ضرورت نہیں ہو گی۔ چنانچہ قرآنِ کریم نے دولت جمع کرنے کے خلاف وعید کا اعلان کیا ہے۔ سورۃ المعارج میں ہے:۔

(i) تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰی ۝ وَجَمَعَ فَاَوْعٰی ۝ (۷۰/۱۷-۱۸)

جہنّم آوازیں دے دے کر بلاتی ہے اس شخص کو جو نظامِ خداوندی سے منہ موڑتا اور گریز کی راہیں نکالتا ہے۔

یعنی اس شخص کو جو دولت تجوری میں جمع کرتا ہے اور اس کا منہ اوپر سے کس کر باندھ دیتا ہے۔

(ii) سورۃ الھمزہ میں اس اجمال کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جہاں فرمایا:۔

وَیْلٌ لِّکُلِّ ھُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِ ۝ نِ الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَہٗ ۝ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَہٗٓ اَخْلَدَہٗ ۝ کَلَّا لَیُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَۃِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىکَ مَا الْحُطَمَۃُ ۝ نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ ۝ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْـِٕدَۃِ ۝ (۱۰۴/۱-۷)

(اے رسول! تم برملا کہہ دو کہ) وہ شخص تباہ ہو کر رہے گی جس کی زندگی کا مقصد ہی یہ ہو کہ وہ دولت اکٹھی کرتا رہے اور پھر گنتا رہے کہ اب کتنا روپیہ جمع ہو گیا، اور اب کتنا۔ ایسے شخص کی ذہنیت یہ ہو جاتی ہے کہ اگر قوم میں کوئی مصلح وغیرہ پیدا ہو (جو نظامِ سرمایہ داری کے خلاف کچھ کہے تو یہ اس میں ہزار عیب نکالے گا۔ نکتہ چینی کرے گا۔ اس کے خلاف جھوٹا پراپیگنڈہ کرے گا اور کوشش کرے گا کہ اس کے ساتھیوں میں پھوٹ پڑ جائے۔

اس سے پوچھو کہ کیا اُس کا مال اُسے ہمیشہ مصیبتوں سے بچاتا رہے گا؟

اگر وہ ایسا سمجھتا ہے تو وہ زعمِ باطل میں مبتلا ہے۔ اس کا مال ناکارہ شے کی طرح تباہی کے جہنم میں جھونک دیا جائے گا جو اس کے ٹکڑے کر دے گی۔ اور اس طرح وہ اس کے کسی کام نہیں آ سکے گا۔

یہ "تباہی کا جہنم" کیا ہے؟ اس کا جواب خدا ہی دے سکتا ہے۔

اور وہ جواب یہ ہے کہ یہ خدا کے قانونِ مکافات کی بھڑکائی ہوئی وہ آگ ہے جس کے شعلے دلوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔

(iii) اس موضوع پر آیات تو متعدد پیش کی جا سکتی ہیں، لیکن ہم ان میں صرف دو کا اضافہ کافی سمجھتے ہیں۔ سورۂ توبہ کی وہ آیات جن میں کہا گیا ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۗ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۖ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ۔ (۹/۳۴-۳۵)

اے جماعتِ مومنین! اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ رکھو کہ علماء اور مشائخ (مذہبی پیشواؤں) میں سے اکثر کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ جھوٹ اور فریب سے لوگوں کا مال کھا جاتے ہیں۔ دعویٰ ان کا یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو خدا کی راہ کی طرف دعوت دیتے ہیں، لیکن درحقیقت وہ خدا کی راہ میں روک بن کر کھڑے ہوتے ہیں تاکہ لوگ اس طرف آنے نہ پائیں۔

(اے رسول! تم ان مذہبی پیشواؤں کو، اور ان کے ساتھ ان لوگوں کو جو ان مذہبی پیشواؤں کی خود ساختہ شریعت کی آڑ میں، چاندی اور سونے (دولت) کے ڈھیر جمع کرتے رہتے ہیں۔ اور انہیں خدا کی راہ۔ یعنی نوعِ انسانی کی زکوٰۃ کے لئے کھلا نہیں رکھتے، الم انگیز عذاب کی خبر سنا دو۔

یعنی اس عذاب کی خبر جس کی رُو سے ان کے اس مال کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا اور اس سے ان کی پیشانیوں۔ ان کے پہلوؤں اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا، اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہ مال ہے جسے تم نے اپنے لئے جمع کر رکھا تھا۔ سو جو کچھ تم نے یوں جمع کر رکھا تھا، اس کا اب مزہ چکھو۔

(۱۷) اس قسم کے احکام کے بعد، جماعتِ مومنین کے دل میں فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوا کہ ہم اپنی کمائی میں سے کچھ بھی اپنے پاس رکھ سکتے ہیں یا نہیں، اور اگر رکھ سکتے ہیں تو کس قدر؟ — سورۂ بقرہ میں ہے:۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۭ ..... (۲/۲۱۹)

اے رسولؐ! یہ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ہم کس قدر اپنے پاس رکھیں، اور کس قدر دوسروں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے دے دیں؟

کہا۔ جب تمہاری ضروریات پوری کرنے کا ذمہ اسلامی نظام نے لے رکھا ہے، تو تم نے زائد از ضرورت مال رکھنا کا ہے کو ہے؟

قُلِ الْعَفْوَ ۭ (۲/۲۱۹)

ان سے کہو کہ جس قدر تمہاری ضروریات سے زائد ہے، وہ سب دوسروں کی ضروریات پورا کرنے کے لئے دے دو۔

اس نظام کو اللہ تعالےٰ نے بڑے حسین اور بلیغ انداز میں بیان فرمایا ہے جہاں کہا ہے کہ

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰي مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۭ (۹/۱۱۱)

یہ حقیقت ہے کہ خدا مومنوں سے ان کی جان اور مال خرید لیتا ہے بعوض جنّت کے۔

یعنی مومن اپنی جان اور مال خدا کے ہاتھ بیچ ڈالتے ہیں، اور ان کے عوض انہیں جنت مل جاتی ہے۔ جو کچھ ہم نے شروع میں لکھا ہے اس کی رُو سے یہ واضح ہے کہ بیع و شریٰ (خرید و فروخت) کا یہ معاملہ افراد معاشرہ اور اسلامی نظام کے ساتھ طے پاتا ہے۔

اسلام کے معاشی نظام کے متعلق جو کچھ اوپر کہا گیا ہے اتنے ہی سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اس سے نظامِ سرمایہ داری کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ جب یہ نظام قائم ہوا تھا تو اس نے فی الواقعہ نظامِ سرمایہ داری کی جڑ کاٹ دی تھی۔ اس نظام کی رُو سے اتنا اور واضح ہو جاتا ہے کہ اس میں مروّجہ زکوٰۃ کا مفہوم فِٹ ہی نہیں بیٹھتا۔ یعنی یہ مفہوم کہ ہر شخص کو اجازت ہے کہ جتنا جی چاہے مال جمع کرتا رہے اور سال کے بعد اس میں سے اڑھائی فی صد کے حساب سے دے دے۔ باقی مال حلال و طیّب ہو جائے گا۔

سوال یہ ہے کہ زکوٰۃ کا یہ تصوّر آیا کہاں سے؟ اس کا جواب غور سے سمجھنے کا متقاضی ہے۔

جیسا کہ ہم نے کہا ہے، اسلام کا معاشی نظام، نظامِ سرمایہ داری کا شدید ترین دشمن تھا۔ اس نظام کے قیام سے سرمایہ داروں پر جو کچھ گذری ہوگی، وہ ظاہر ہے۔ جب تک اسلامی نظام قائم رہا یہ اس کے خلاف کچھ نہ کر سکے۔ لیکن جب اُمت کی گاڑی دوسری پٹڑی پر جا پڑی، اور خلافت کی جگہ ملوکیت آگئی تو نظامِ سرمایہ داری کے مؤیدین نے بھی سر ابھارا۔ لیکن وہ اسلام کا نام چھوڑ کر اپنا نظام رائج نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے ایسا طریق سوچا جس سے اُمت اس مغالطہ میں رہے کہ یہ نظام، اسلام کے خلاف نہیں۔ اس کے لئے آسان طریق یہ تھا کہ ایک روایت وضع کر لی جائے اور اسے منسوب کر دیا جائے حضورؐ نبی اکرمؐ کی طرف۔ آپ نے سورۃ توبہ کی اس آیت کو دیکھا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ: وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ... (9/34) "جو لوگ چاندی اور سونا (دولت) جمع کرتے ہیں اور اُسے اللہ کی راہ (ربوبیت عالمینی) میں صرف کرنے کے لئے کھلا نہیں رکھتے، ان کے لئے عذاب الیم ہے۔" اب وہ وضعی روایت ملاحظہ فرمائیے:۔

(حضرت) ابن عباس رضؓ کہتے ہیں کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی (وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ ......) تو مسلمانوں پر اس کا خاص اثر ہوا۔ انہوں نے اس حکم کو گراں خیال کیا۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں سے کہا کہ میں تمہاری اس فکر کو دور کر دونگا۔ پس عمرؓ، رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یا نبیؐ اللہ! یہ آیت آپؐ کے صحابہؓ پر گراں گذری ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ خداوند تعالےٰ نے زکوٰۃ اس لئے فرض کی ہے کہ وہ تمہارے باقی مال کو پاک کر دے ...... ابنِ عباسؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ کا یہ بیان سُن کر عمرؓ نے جوشِ مسرت سے اللہ اکبر کہا ...

(ابو داؤد۔ بحوالہ مشکوٰۃ۔ کتاب الزکوٰۃ۔ اُردو ترجمہ۔ شائع کردہ۔ نور محمد۔ کارخانہ تجارت کتب۔ کراچی۔ صفحہ ۲۱۰-۲۰۹)

بادنیٰ تدبر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ یہ روایت وضعی ہے اور اس زمانے کی تراشیدہ جب ہمارے دورِ ملوکیت میں نظامِ سرمایہ داری رائج ہو چکا تھا۔ اس میں سب سے پہلے تو یہ دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک حکم نازل ہوتا ہے اور کہا یہ گیا ہے کہ (وہ) صحابہ کبارؓ پر (معاذ اللہ) گراں گذرا۔

خدا کا حکم تو ایک طرف، قرآن مجید میں نبی اکرمؐ کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ "خدا اس پر شاہد ہے کہ یہ لوگ کبھی صاحبِ ایمان نہیں ہو سکتے جب تک یہ اپنے ہر نزاعی معاملہ میں تجھے اپنا حکم مقرر نہ کریں۔ اور پھر

تیرے فیصلے کے خلاف اپنے دل کی گہرائیوں میں بھی کوئی گرانی محسوس نہ کریں اور اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں۔ (4/65)

آپ سوچئے کہ کیا ان صحابہؓ پر خدا کا حکم گراں گذرے گا؟

پھر ان "کبیدہ خاطر" صحابہؓ کی نیابت کے لئے اپنے آپ کو کون پیش کرتا ہے؟
حضرت عمرؓ جن کی زمانہ خلافت میں بھی یہ حالت تھی کہ ان کے تہبند میں بارہ بارہ پیوند لگے ہوئے ہوتے تھے:

اور خدا کے حکم کے علی الرغم (۹۷½) فیصد مال جمع رکھنے کا فیصلہ (معاذ اللہ) وہ ذاتِ گرامی دیتی ہے جس نے سربراہِ مملکت ہونے کے باوجود ایک نالتو پیسہ بھی اپنے گھر میں نہ رکھا۔ حتیٰ کہ (روایت میں ہے کہ)

مرض الموت کے ایام میں حضورؐ کے ہاں سات دینار تھے۔ حضورؐ فرماتے تھے کہ انہیں صدقہ کر دو۔ لیکن اس کے بعد حضورؐ پر غشی طاری ہو گئی اور سب لوگ آپ کی تیمارداری میں مصروف ہو گئے۔ آپؐ کو ہوش آیا تو فرمایا۔

وہ دینار لے آؤ۔ دینار کو حضورؐ نے اپنے ہاتھ پر رکھ کر کہا کہ محمدؐ کا اپنے رب پر کیا گمان ہو گا جب کہ وہ اپنے رب کو ملے اور اس کے پاس یہ دینار ہوں۔ پھر حضورؐ نے انہیں خود صدقہ کر دیا۔ (بحوالہ الصحیح السیر۔ حکیم دانا پوری)

کیا یہ رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) اپنی اُمت کے لئے یہ روا رکھیں گے کہ وہ بے حد و نہایت دولت جمع کرتے رہیں اور اس میں سے صرف (۲½) سالانہ خیرات کر دیا کریں۔ باقی مال حلال و طیب ہو جائے گا!

بہرحال یہ ہے وہ روایت جسے مروّجہ زکوٰۃ کی سند میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد، اس زکوٰۃ کی جزئیات ——— یعنی نصاب، شرح، مقدار وغیرہ مقرر ہوئیں، اور ان کے مطابق کچھ پیسے دے دینے سے اطمینان کر لیا کہ خدا کے حکم (آتُوا الزَّكٰوةَ) کی تعمیل ہو گئی! یاد رکھیئے۔ نہ اس قسم کی زکوٰۃ کا کوئی حکم قرآن میں ہے۔ نہ ہی ان جزئیات کا اس میں کوئی ذکر ہے۔

اس مقام پر ایک بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہیں ہو گا۔ کہا یہ جاتا ہے کہ (کم از کم) مصارفِ زکوٰۃ کی تصریح تو خود قرآن نے کر دی ہے اور اس کی سند میں سورۂ توبہ کی وہ آیت پیش کر دی جاتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (۹/۶۰)۔ قرآن کریم نے یہ مصارفِ صدقات کے بتائے ہیں، نہ کہ زکوٰۃ کے۔ اور قرآن کریم نے زکوٰۃ کو صدقات کہیں نہیں کہا۔ صدقات بالکل الگ چیز ہیں۔ لیکن اس کے باوجود (جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے) انہیں مصارفِ زکوٰۃ کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ (مثلاً) دار العلوم، کراچی کا ترجمان "ماہنامہ البلاغ، مفتی محمد شفیع (مرحوم) کے صاحبزادے (مولانا) محمد تقی عثمانی کے زیرِ ادارت شائع ہوتا ہے۔ اس کی اگست ۱۹۸۰ء کی اشاعت میں لکھا گیا ہے کہ زکوٰۃ اور عشر کے متعلق حالیہ آرڈی نینس پر غور کرنے کے لئے "مجلس تحقیق حاضرہ" کے تین اجلاس ہوئے۔ جن

میں ممتاز علماء نے شرکت کی۔ اس مجلس کی روئیداد میں، منجملہ دیگر امور، کہا گیا ہے کہ

> زکوٰۃ کے تقدس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کے مصارف کا تعین انبیاء علیہم السلام پر بھی نہیں چھوڑا بلکہ اسے بذات خود قرآن کریم میں متعین فرما دیا ہے۔ (صفحہ ۴)

اور اس سے مراد وہی صدقات کے متعلق آیت ہے۔ یعنی (۹/۶۰) بالفاظ دیگر (ان حضرات کے نزدیک) اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے مصارف کو زکوٰۃ کے مصارف نہیں، بلکہ صدقات کے مصارف کہہ کر پکارا ہے اور اسے علماء پر چھوڑا ہے کہ صدقات سے مراد زکوٰۃ لیں!

صدقات کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ حضور نبی اکرمؐ کی دعوت اسلام کے اوّلین مرحلہ میں مومنین کی جماعت تو وجود میں آ گئی تھی لیکن اسلامی نظام ہنوز قائم نہیں ہوا تھا۔ اس دور میں بھی محتاجوں اور مفلسوں کی ضروریات کا خیال رکھنا ضروری تھا۔ اس کے لئے مرفہ الحال مسلمانوں کو ترغیب دلائی جاتی اور تلقین کی جاتی تھی کہ وہ اپنے غریب بھائیوں کی امداد کریں۔ ان کی اس امداد کو صدقات کہا جاتا تھا۔ بعض اجتماعی ضروریات کے لئے بعض اوقات حضورؐ کی طرف سے اپیل بھی کی جاتی تھی اور صحابہ رضؓ کی طرف سے اس کے جواب میں عطیات کی پیش کش ہوتی تھی۔ یہ (عطیات) وہ صدقات تھے جن کے متعلق حضورؐ سے کہا گیا کہ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۔۔۔ (۹/۱۰۳) تم ان عطیات کو وصول کر لیا کرو جو یہ اپنی دولت سے پیش کریں۔ اور ان عطیات سے ان کے قلب و دماغ کی تطہیر اور ان کی صلاحیتوں کی نشوونما (تُزَكِّيهِم) کا انتظام کرو۔ ان کے اس قسم کے ایثار کی تحسین و ستائش سے ان کی حوصلہ افزائی کرو۔ تمہاری یہ حوصلہ افزائی ان کے لئے وجہ تسکین خاطر ہو گی۔

اس آیت میں دو باتیں قابل غور ہیں۔ ایک تو یہ کہ حضورؐ سے فرمایا گیا ہے کہ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً۔ ان کے اموال میں سے صدقات لے لیا کرو۔ سارے قرآن میں خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ زکوٰۃ (ان سے زکوٰۃ وصول کیا کرو) کہیں نہیں آیا۔ دوسرے یہ کہ تُزَكِّيهِم کہہ کر خود اس امر کی وضاحت کر دی کہ اس آمدنی کا مقصد ان کی نشوونما کا اہتمام کرنا ہے۔ اس سے بھی واضح ہے کہ زکوٰۃ کسی آمدنی کا نام نہیں۔ یہ حکومت کی آمدنی کے مقصد کا نام ہے۔ یعنی یہ آمدنی اس مقصد (زکوٰۃ) کے لئے صرف کی جائے گی۔ جب اسلامی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی، یہ آمدنی صدقات (عطیات) کی شکل میں تھی۔ جب اس حکومت کے ذریعے قرآن کا معاشی نظام وجود میں آ گیا تو انفرادی صدقات کی ضرورت نہ رہی۔ پھر مومنین کا سارے کا سارا (زائد از ضرورت) مال، اس مقصد کے حصول کے لئے وقف ہو گیا۔ (ضمناً) قرآن کریم میں، صدقات کی طرح، قرض، وراثت، وصیت وغیرہ سے متعلق احکام بھی اسی عبوری دور کے لئے ہیں جب ہنوز اسلامی نظام قائم نہ ہوا ہو۔ جب وہ نظام قائم ہو جائے تو ان چیزوں کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

اس مقام پر ایک اہم نکتہ سامنے آتا ہے۔ سورۂ بقرہ کی مشہور آیت ہے۔ لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔ کشادگی کی راہ یہ نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف کرتے ہو یا مغرب کی طرف۔ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ۔ کشادگی کی راہ اس کی ہے جو اللہ۔ یوم آخرت۔ ملائکہ۔ کتب خداوندی اور انبیاؑ پر ایمان لائے۔ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ۔ اور مال و دولت کی کشش کے باوجود اسے ضرورتمندوں اور محتاجوں کو دے۔ (ان کی تفصیل آیت میں دی گئی ہے) اس کے بعد ہے۔ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ ..... (۲/۱۷۷) اور جو اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا فریضہ ادا کرے۔ اس آیت میں دیکھئے۔ پہلے ایتائے مال کا ذکر کیا گیا اور پھر ایتائے زکوٰۃ کا۔ اگر زکوٰۃ سے مراد کچھ مال دینا ہوتا تو ایتائے مال کے بعد ایسا کہنے کی ضرورت کیا تھی؟ ایتائے مال سے ایتائے زکوٰۃ کا فریضہ خود بخود ادا ہو جاتا ہے۔ اس سے بھی واضح ہے کہ ایتائے زکوٰۃ، ایتائے مال سے الگ چیز ہے۔ اس آیت میں ایتائے مال سے مراد صدقات ہیں اور ایتائے زکوٰۃ کا مطلب، سامانِ نشوونما بہم پہنچانے کا حکومت کا فریضہ۔

——— (۰) ———

ہم کہہ یہ رہے تھے کہ "زکوٰۃ" کا مروجہ مفہوم اس دور میں وضع ہوا تھا جب خلافت ملوکیت میں تبدیل ہو گئی تھی۔ اور قرآن کے معاشی نظام کی جگہ نظامِ سرمایہ داری مجبر سے در آیا تھا۔ زکوٰۃ کا یہ مفہوم درحقیقت، نظامِ سرمایہ داری پر "اسلامی ٹھپہ" لگانے کے لئے تھا۔ مروجہ زکوٰۃ کا نصاب خود اس امر کا غماز ہے کہ اس میں سرمایہ داروں (دولتمندوں) سے کس قدر رعایت برتی گئی ہے۔ وہ نصاب یہ ہے۔

(۱) چاندی ——— ۵۲½ تولہ (۲) سونا ——— ۷½ تولہ

(۳) اونٹ ——— پانچ راس (۴) گائے ——— تیس راس (وغیرہ)

آجکل کے نرخ کے حساب سے ۵۲½ تولہ چاندی کی قیمت پندرہ، سولہ سو روپے بنتی ہے، اور ۷½ تولہ سونے کی قیمت پندرہ سولہ ہزار۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس (غریب) کے پاس پندرہ، سولہ سو روپے ہوں، اس پر تو زکوٰۃ واجب ہو جائیگی لیکن جس (امیر) کے پاس تیرہ چودہ ہزار روپے ہوں، اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ اور اگر ملکیت اونٹوں اور گائے بھینسوں کی ہو، تو پھر بات کہیں کی کہیں جا پہنچے گی۔ اس میں ہزاروں روپے کا مالک، زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار پا جائے گا۔

یہاں ایک اور گوشہ سامنے آتا ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ حضور نبی اکرمؐ زائد از ضرورت ایک پیسہ بھی اپنے گھر میں نہیں رکھتے تھے۔ یہ متفقہ طور پر تسلیم ہے کہ حضورؐ نے مروجہ زکوٰۃ کبھی ادا نہیں کی لیکن حضورؐ کے اہلِ خانہ (نساء النبیؐ) کو ارشاد خداوندی تھا کہ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ (۳۳/۳۳) تم اقامت الصلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا فریضہ ادا کرو۔ اب ظاہر ہے کہ جس گھر میں زائد از ضرورت ایک پیسہ بھی نہ رکھا جاتا ہو، اس گھر کے افراد (یا ازواجِ مطہراتؓ) مروجہ زکوٰۃ کیسے ادا کریں گے؟ اس سے بھی واضح ہے کہ زکوٰۃ سے مراد جمع شدہ مال میں سے اڑھائی فیصد روپیہ ادا کرنا نہیں۔ حضور نبی اکرمؐ کا فریضہ یُزَكِّيهِمْ (۶۲/۲) بھی تھا یعنی مناسب تعلیم و تربیت سے افرادِ امت کی صلاحیتوں کی نشوونما کرنا۔ یہی وہ فریضہ تھا جسے حضورؐ کے اہلِ خانہ، اپنے حلقۂ اثر میں ادا کرتے تھے یعنی مناسب تعلیم و تربیت سے متعلقہ افراد کی صلاحیتوں کی پرورش کرنا اور اس طرح ان کی سیرت و کردار کا تزکیہ۔ یہی حکم انبیاءؑ سابقہ اور ان کے اہلِ خانہ کے لئے بھی تھا۔ (۲۱/۷۳ ; ۱۹/۳۱ ; ۱۹/۵۵ وغیرہ) ؎

؎ پرویز صاحب نے اپنی کتاب مطالب القرآن جلد دوم میں زکوٰۃ کے موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے۔ (دیکھئے صفحات ۲۱۰ تا آخر)

جہاں تک عشر کا تعلق ہے (یعنی زمین کی پیداوار پر زکوٰۃ) تو یہ بھی ہمارے دورِ سرمایہ داری کا وضع کردہ تصور ہے۔ قرآن کے معاشی نظام کی رُو سے، زمین، تمام مخلوق کے لئے ذریعہ پرورش ہے اس لئے اس پر کسی کی ذاتی ملکیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (اس کی تفصیل، پرویز صاحب کی کتاب "نظامِ ربوبیت" میں ملے گی)۔

(۰)

زکوٰۃ کے متعلق جو کچھ سابقہ صفحات میں لکھا گیا ہے اس سے واضح ہے کہ

(۱) زکوٰۃ کے معنی سامانِ نشوونما ہیں۔

(۲) قرآن کریم میں، ایتائے زکوٰۃ (افراد معاشرہ کو سامانِ نشوونما مہیا کرنا) اسلامی مملکت کا فریضہ یا ذمہ داری قرار دیا گیا ہے۔ اس میں جہاں جہاں "زکوٰۃ دینے" کا حکم یا ذکر ہے، اس سے مراد، افرادِ معاشرہ (اور آخر الامر نوعِ انسان) کو سامانِ زیست اور نشوونما مہیا کرنا ہے۔ ایک حکومت اس وقت اسلامی کہلا سکتی ہے جب وہ اس ذمہ داری کو قبول کرے اور اس پر عمل پیرا ہو۔

ایک مدت کے انتظار کے بعد عصرِ حاضر کی نہایت اہم تصنیف

نظامِ ربوبیت

(یہ پہلے ایڈیشن سے کہیں مختلف ہے)

آپ ایک عرصہ سے سنتے چلے آرہے ہیں کہ اسلام، نہ نظامِ سرمایہ داری کا حامی ہے، نہ کمیونزم کا۔ اس کا اپنا منفرد معاشی نظام ہے جس میں نوعِ انسان کی مشکلات کا حل مضمر ہے۔ لیکن کسی نے یہ نہ بتایا کہ اسلام کا وہ معاشی نظام ہے کیا؟ مفکرِ قرآن۔ پرویز صاحب کی اس تصنیف میں نہایت وضاحت سے بتایا گیا ہے کہ:

(۱) نظامِ سرمایہ داری کیا ہے؟ کمیونزم اور سوشلزم کے نظام کیا ہیں، اور یہ کیوں ناکام رہ گئے ہیں۔

ان کے برعکس

(۲) اسلام کا وہ معاشی نظام کیا ہے جو نوعِ انسان کی مشکلات کا اطمینان بخش حل پیش کرتا ہے۔ اس کی روشنی میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ

★ مارکس نے کس طرح یہ اعتراف کیا کہ اس کا نظام ناقابلِ عمل ہے۔ ★ ماؤزے تنگ کا فلسفۂ اضداد کی بنیادیں کس طرح ناستوار ہیں۔

★ ربوٰا (سود) کا مسئلہ کیا ہے اور اس کا حل کیا ہے۔ ★ زکوٰۃ کا قرآنی مفہوم کیا ہے۔

اس کتاب کے بعد آپ کو معاشیات کے موضوع پر کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں رہے گی۔

کتابت، آفسٹ کی چھپائی ہے، ولایتی سفید کاغذ پر طبع ہوئی ہے ——— ضخامت سوا چار سو صفحات ——— سنہری جلد

قیمت فی جلد پچاس روپے ——— (علاوہ محصول ڈاک)

ملنے کا پتہ

ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵ بی گلبرگ ۲ لاہور ● مکتبہ دین و دانش چوک اردو بازار لاہور

فہرست معطیان قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی

(۱۵؍جولائی تا ۱۸؍اگست ۱۹۸۰ء)

اسمائے گرامی	رقم	رسید نمبر
محترم	روپے	
۱۔غلام عباس جعفر صاحب ۔ بیلیٹ گل معرفت بزم طلوع اسلام لندن	۱۱۵/۴۵	۳۳۵۲
۲۔فیروزہ صاحبہ دختر سلطان جعفری صاحب ۔ لیڈز ۷ 〃 〃	۲۳/۰۹	۳۳۵۳
۳۔حاجی محمد صادق صاحب ۳۰ 〃 〃 〃	۲۳/۰۹	۳۳۵۴
۴۔گل فیروز صاحب ۶۔ 〃 〃 〃	۲۳/۰۹	۳۳۵۵
۵۔نیک محمد صاحب ۶۔ 〃 〃 〃	۲۳/۰۹	۳۳۵۶
۶۔عبدالرحمٰن صاحب ۳۔ 〃 〃 〃	۲۳/۰۹	۳۳۵۷
۷۔محمد ایوب صاحب ۶۔ 〃 〃 〃	۶۹/۲۷	۳۳۵۸
۸۔حاجی محمد صاحب ۶۔ 〃 〃 〃	۴۶/۱۸	۳۳۵۹
۹۔محمد نجیب صاحب ۶۔ 〃 〃 〃	۲۳/۰۹	۳۳۶۰
۱۰۔محمد اعظم صاحب ۶۔ 〃 〃 〃	۴۶/۱۸	۳۳۶۱
۱۱۔لالہ امیر عالم صاحب ۶۔ 〃 〃 〃	۲۳/۰۹	۳۳۶۲
۱۲۔محمد زمان صاحب ۶۔ 〃 〃 〃	۴۶/۱۸	۳۳۶۳
۱۳۔محمد اسماعیل صاحب ۶۔ 〃 〃 〃	۴۶/۱۸	۳۳۶۴
۱۴۔گلزار خان صاحب ۶۔ 〃 〃 〃	۲۳/۰۹	۳۳۶۵
۱۵۔محمد یعقوب صاحب ۶۔ 〃 〃 〃	۲۳/۰۹	۳۳۶۶
۱۶۔عبدالشریف صاحب ۶۔ 〃 〃 〃	۲۳/۰۹	۳۳۶۷
۱۷۔محمد الطاف صاحب ۶۔ 〃 〃 〃	۶۹/۲۷	۳۳۶۸
۱۸۔محمد رفیق صدیقی صاحب ۳۔ 〃 〃 〃	۴۶/۱۸	۳۳۶۹
۱۹۔خادم حسین صاحب کیتھلے 〃 〃	۲۳/۰۹	۳۳۷۰
۲۰۔عاشق حسین صاحب 〃 〃 〃	۲۳/۰۹	۳۳۷۱
۲۱۔علی اصغر صاحب 〃 〃 〃	۲۳/۰۹	۳۳۷۲
۲۲۔سید سخی شاہ صاحب 〃 〃 〃	۲۳/۰۹	۳۳۷۳
۲۳۔محمد مجیب صاحب بریڈفورڈ 〃 〃	۲۳/۰۹	۳۳۷۴

اسمائے گرامی	رقم	رسید نمبر
محترم	روپے	
۲۴۔محمد نذیر صاحب ۔ لیڈز ۶ معرفت بزم طلوع اسلام لندن	۲۳/۰۹	۳۳۷۵
۲۵۔شاہد حمید صاحب 〃 ۶ 〃 〃 〃	۲۳/۰۹	۳۳۷۶
۲۶۔غلام مرتضیٰ صاحب 〃 ۶ 〃 〃 〃	۲۳/۰۹	۳۳۷۷
۲۷۔محمد فاضل صاحب ۔ ناٹنگھم 〃 〃 〃	۲۳/۰۹	۳۳۷۸
۲۸۔محمد تاج صاحب ۔ شیفیلڈ 〃 〃 〃	۲۳/۰۹	۳۳۷۹
۲۹۔ظہیر محمد صاحب 〃 〃 〃 〃	۲۳/۰۹	۳۳۸۰
۳۰۔غلام شبیر صاحب ۔ راڈرھم 〃 〃 〃	۲۳/۰۹	۳۳۸۱
۳۱۔ایس اے زبیری صاحب ۔ نارتھ لندن 〃 〃	۴۶/۱۸	۳۳۸۲
۳۲۔محمد تاج صاحب ۔ لیڈز 〃 〃	۲۳/۰۹	۳۳۸۳
۳۳۔مشتاق محمد صاحب ۔ لیٹن لندن 〃 〃	۲۳/۰۹	۳۳۸۴
۳۴۔راجہ ارشد کیانی صاحب ۔ لیلے سائیکل کمپنی 〃 〃	۲۳/۰۹	۳۳۸۵
۳۵۔منظور حسین صاحب 〃 〃	۲۳/۰۹	۳۳۸۶
۳۶۔عبدالعزیز صاحب 〃 〃	۲۳/۰۹	۳۳۸۷
۳۷۔سلطان محمود صاحب 〃 〃	۲۳/۰۹	۳۳۸۸
۳۸۔محمد سلیم صاحب 〃 〃	۲۳/۰۹	۳۳۸۹
۳۹۔ایس عبدالغنی صاحب 〃 〃	۲۳/۰۹	۳۳۹۰
۴۰۔خیرات علی صاحب 〃 〃	۲۳/۰۹	۳۳۹۱
۴۱۔اللہ دتہ صاحب 〃 〃	۲۳/۰۹	۳۳۹۲
۴۲۔علی اختر صاحب ۔ والتھم سٹو 〃 〃	۳۴۶/۳۵	۳۳۹۳
۴۳۔سلیم اختر صاحب ۔ 〃 〃 〃	۲۳۰/۹۰	۳۳۹۴
۴۴۔ایف ایم رضوی صاحب KAYESMIR 〃 〃	۱۱۵۳/۴۰	۳۳۹۵
۴۵۔ایم روشن عباسی صاحب ۔ نیو کراس 〃 〃	۴۶۱/۷۵	۳۳۹۶
۴۶۔ایم اشفاق صاحب و احباب CLEVELAND 〃 〃	۱۱۵۳/۴۰	۳۳۹۷

اسمائے گرامی	رقم	رسید نمبر
محترم	روپیہ	
۴۷۔ سوائی علی صاحب بیٹن سٹون لندن معرفت بزم طلوع اسلام لندن	۲۳۰/۹۰	۳۳۹۸
۴۸۔ مقبول محمود فرحت صاحب " " "	۱۱۵/۴۵	۳۳۹۹
۴۹۔ عبدالغفور صاحب۔ راچڈیل لنکا شائر " "	۱۱۵/۴۵	۳۴۰۰
۵۰۔ آر۔ ایم۔ خان صاحب۔ سلو بکس " "	۱۱۵/۴۵	۳۴۰۱
۵۱۔ سید احمد علی صاحب (WIMBLEDON) بذریعہ ونگ کمانڈر (ریٹائرڈ) ایم ایچ رضا صاحب " "	۲۲۴/۰۲	۳۴۰۲
۵۲۔ جعفر علی نقوی صاحب لندن " " "	۱۱۲/۰۴	۳۴۰۳
۵۳۔ ایم ایم فاروق رضا صاحب۔ مانچسٹر " " "	۱۱۲/۰۳	۳۴۰۴
۵۴۔ مسز ابینہ رضا صاحبہ۔ لندن " " "	۱۱۲/۰۳	۳۴۰۵
۵۵۔ ڈاکٹر خالد عمر دار صاحب۔ ابوظہبی	۱۰۰۰/-	۳۴۰۶
۵۶۔ مختلف ممالک کے احباب۔ معرفت محمد یوسف بٹ صاحب۔ مدینہ منورہ	۵۸۷۲/-	۳۴۰۷ تا ۳۴۲۳
۵۷۔ چوہدری عبدالحمید صاحب دیونہ منڈی معرفت بزم طلوع اسلام گجرات	۵۰/-	۳۴۲۴
۵۸۔ چوہدری سردار خان صاحب " " "	۱۰۰/-	۳۴۲۵
۵۹۔ چوہدری فضل علی صاحب گجرات " "	۵۰/-	۳۴۲۶
۶۰۔ چوہدری محمد حسین صاحب " " "	۵۰۰/-	۳۴۲۷
۶۱۔ چوہدری محمد اسلم جوڑہ صاحب " " "	۵۰/-	۳۴۲۸
۶۲۔ احسان اللہ ولد اللہ دتا صاحب " "	۵۰/-	۳۴۲۹
۶۳۔ شیخ قدرت اللہ صاحب ایڈووکیٹ " "	۱۰۰۰/-	۳۴۳۰
۶۴۔ چوہدری رحمت اللہ صاحب معرفت بزم طلوع اسلام راولپنڈی	۴۰۰/-	۳۴۳۱
۶۵۔ چوہدری عبدالحمید صاحب " " "	۱۰۰/-	۳۴۳۲
۶۶۔ مسز زبیدہ شرف صاحبہ۔ اسلام آباد	۱۰۰/-	۳۴۳۳
۶۷۔ عفت مقصودہ صاحبہ بذریعہ محترمہ رفعت جہاں صاحبہ۔ لاہور	۱۰۰۰/-	۳۴۳۴
۶۸۔ احباب کویت معرفت محمد عمر دراز خان صاحب۔ کویت	۵۰۰/-	۳۴۳۵
۶۹۔ بشارت احمد میر صاحب۔ کرائیڈن سرے (یو۔کے)	۱۰۰۰/-	۳۴۳۶

اسمائے گرامی	رقم	رسید نمبر
محترم		
۷۰۔ محمود حسین صاحب۔ کراچی	۳۰۰/-	۳۴۳۷
۷۱۔ ڈاکٹر سعیدہ یاسمین رائین صاحبہ۔ کراچی معرفت عطاء الرحمٰن ارائیں صاحب۔ لاہور	۲۰۰۰/-	۳۴۳۸
۷۲۔ مسماۃ امام بی بی صاحبہ موضع کالا چوہدر۔ گجرات	۴۰۰/-	۳۴۳۹
۷۳۔ حافظ محمد ابراہیم صاحب۔ کوئٹہ	۱۰۰/-	۳۴۴۰
۷۴۔ مظفر سہگل صاحب معرفت محمد خالد گل صاحب الخبر۔ سعودی عرب	۲۹۵/-	۳۴۴۱
۷۵۔ صفدر رانا صاحب " " "	۵۹۰/-	۳۴۴۲
۷۶۔ راشدہ گل صاحبہ " " "	۱۰۰۰/-	۳۴۴۳
۷۷۔ مسز الیہ خان صاحبہ۔ گلبرگ۔ کراچی	۱۰۰۰/-	۳۴۴۴
۷۸۔ مسز ظفر سعید صاحبہ۔ سیالکوٹ	۳۰۰/-	۳۴۴۵
۷۹۔ محمد صدیق خان صاحب۔ ملتان چھاؤنی	۱۰۰/-	۳۴۴۶
۸۰۔ چوہدری محمد قریش صاحب۔ بہاولپور	۱۰۰/-	۳۴۴۷
۸۱۔ اسد اے۔ جے۔ حمید صاحب۔ کراچی	۱۰۰۰/-	۳۴۴۸
۸۲۔ ایم حسن صاحب معرفت رشید احمد بٹ صاحب۔ بریڈ فورڈ (یو۔کے)	۱۱۳/۵۰	۳۴۶۹
۸۳۔ محمد اکرم زرگر صاحب " " "	۳۸۵/۹۰	۳۴۷۰
۸۴۔ عبدالخالق صاحب " " "	۴۵۴/-	۳۴۷۱
۸۵۔ محمد ارشاد صاحب۔ چاربان۔ مری	۲۵/-	۳۴۷۲
۸۶۔ ڈاکٹر محمد اعظم خان صاحب۔ بہاولپور	۱۰۰/-	۳۴۷۳
۸۷۔ بشیر احمد صاحب بذریعہ ونگ کمانڈر (ریٹائرڈ) ایم ایچ رضا صاحب معرفت بزم طلوع اسلام لندن	۳۰۰/-	۳۴۷۴
۸۸۔ نام ظاہر نہیں کیا۔	۱۰۰/-	۳۴۷۵
۸۹۔ معرفت بزم طلوع اسلام۔ کمالیہ	۲۰۰/-	۳۴۷۶
۹۰۔ عطا محمد خان بخاری صاحب۔ چشتی نرسری۔ ڈیرہ غازیخان	۱۰۰/-	۳۴۷۷
۹۱۔ مسز چوہدری عبدالکریم نظامی صاحبہ۔ لنکاشائر	۵۰/-	۳۴۷۸

اسمائے گرامی	رقم	رسید نمبر
محترم		
۹۲- نام اور پتہ ظاہر نہیں کیا۔	۵۰/-	۳۴۷۹
۹۳- میاں خلیل الرحمن صاحب چک نمبر ۳۰۲ ۱۰-R بہاولنگر	۱۰/-	۳۴۸۰
۹۴- عبدالخالد صاحب معرفت بزم طلوع اسلام کراچی	۲۵۰/-	۳۴۸۱
۹۵- محمد صدیق صاحب 〃 〃 〃	۱۰۰/-	۳۴۸۲
۹۶- نور محمد صاحب 〃 〃 〃	۱۵۰/-	۳۴۸۳
۹۷- بنارس خان صاحب 〃 〃 〃	۶۰/-	۳۴۸۴
۹۸- ایس ایم زبیر صاحب 〃 〃 〃	۲۰/-	۳۴۸۵
۹۹- حسن دین صاحب 〃 〃 〃	۱۰/-	۳۴۸۶
۱۰۰- امین اللہ رحمت اللہ صاحب 〃 〃 〃	۱۰۰/-	۳۴۸۷
۱۰۱- محمد کلیم صاحب 〃 〃 〃	۷۵/-	۳۴۸۸
۱۰۲- یعقوب خان صاحب 〃 〃 〃	۱۵/-	۳۴۸۹
۱۰۳- محمد علی صاحب 〃 〃 〃	۱۰/-	۳۴۹۰
۱۰۴- نور محمد شاد صاحب 〃 〃 〃	۱۰/-	۳۴۹۱
۱۰۵- نثار علی صاحب 〃 〃 〃	۵۰/-	۳۴۹۲
۱۰۶- اسمٰعیل حاجی عثمان صاحب 〃 〃 〃	۱۰۰/-	۳۴۹۳
۱۰۷- افتخار صاحب 〃 〃 〃	۵۰/-	۳۴۹۴
۱۰۸- سید نصار احمد صاحب 〃 〃 〃	۱۰۰/-	۳۴۹۵
۱۰۹- شفقت خان صاحب 〃 〃 〃	۲۰۰/-	۳۴۹۶
۱۱۰- ظاہر ابرار انصاری صاحب 〃 〃 〃	۴۰۰/-	۳۴۹۷
۱۱۱- فدا حسین صاحب 〃 〃 〃	۱۴۰/-	۳۴۹۸
۱۱۲- محمد اکرم راٹھور صاحب 〃 〃 〃	۲۵۰/-	۳۴۹۹
۱۱۳- صالح محمد صاحب 〃 〃 〃	۳۰۰/-	۳۵۰۰
۱۱۴- عابد حسین صاحب 〃 〃 〃	۱۵۰/-	۳۵۰۱
۱۱۵- حاجی احمد صاحب 〃 〃 〃	۱۰۰/-	۳۵۰۲
۱۱۶- محمد اسماعیل صاحب 〃 〃 〃	۱۰۰/-	۳۵۰۳
۱۱۷- شفیع جاوید صاحب 〃 〃 〃	۲۰۰/-	۳۵۰۴
۱۱۸- عبدالمجید باحکلظفر صاحب 〃 〃 〃	۱۰۰/-	۳۵۰۵

اسمائے گرامی	رقم	رسید نمبر
محترم		
۱۱۹- یونس قریشی صاحب معرفت بزم طلوع اسلام کراچی	۱۴۰/-	۳۵۰۶
۱۲۰- خواجہ ریاض الدین صاحب سلو یکس معرفت بزم طلوع اسلام لندن	۱۱۷/۴۰	۳۵۰۷
۱۲۱- مسز جی عباس جعفر صاحب ویمبلے مڈل سیکس 〃	۱۱۷/۴۰	۳۵۰۸
۱۲۲- سہیل خان صاحب لندن ایس ڈبلیو 〃 〃	۱۱۷/۴۰	۳۵۰۹
۱۲۳- ایم اے چوہدری صاحب 〃 〃 〃 〃	۱۱۷/۴۰	۳۵۱۰
۱۲۴- ایم دین خان صاحب 〃 〃 〃 〃	۷۰۴/۴۰	۳۵۱۱
۱۲۵- کبیر خان صاحب 〃 〃 〃 〃	۱۱۷/۴۰	۳۵۱۲
۱۲۶- ایچ اے خان صاحب 〃 〃 〃 〃	۲۳۴/۸۰	۳۵۱۳
۱۲۷- زبیدہ بابر صاحبہ 〃 (۲) 〃 〃	۱۱۷/۴۰	۳۵۱۴
۱۲۸- اے بابر صاحب 〃 〃 〃 〃	۱۱۷/۴۰	۳۵۱۵
۱۲۹- اے صدیقی صاحب 〃 (۸) 〃 〃	۲۳۴/۸۰	۳۵۱۶
۱۳۰- ایس ایچ ملک صاحب 〃 (۷) 〃 〃	۱۱۷/۴۰	۳۵۱۷
۱۳۱- رشید احمد صاحب گرین فورڈ 〃 〃	۱۱۷/۴۰	۳۵۱۸
۱۳۲- نواز خان صاحب بریڈ فورڈ 〃 〃	۷۰/۴۴	۳۵۱۹
۱۳۳- محمد اکرم زرگر صاحب 〃 〃 〃	۲۱۱/۳۲	۳۵۲۰
۱۳۴- حاجی محمد لطیف صاحب 〃 〃 〃	۲۳/۴۸	۳۵۲۱
۱۳۵- ایم مسعود صاحب ہیلی فیکس 〃 〃	۷۰/۴۴	۳۵۲۲
۱۳۶- محمد خلیل صاحب بریڈ فورڈ 〃 〃	۴۶۹/۴۰	۳۵۲۳
۱۳۷- ڈاکٹر محمد توفیق صاحب ہینڈن 〃 〃	۱۱۷/۴۰	۳۵۲۴
۱۳۸- چوہدری عبدالحمید صاحب ہونسلو 〃 〃	۱۱۷۴/۰۸	۳۵۲۵
۱۳۹- ایم خلیل صاحب گرین فورڈ 〃 〃	۱۱۷/۴۰	۳۵۲۶
۱۴۰- طارق عزیز صاحب ہونسلو 〃 〃	۱۱۷/۴۰	۳۵۲۷
۱۴۱- محمد زبیر صاحب 〃 〃 〃	۱۱۷/۴۰	۳۵۲۸
۱۴۲- آئی خواجہ صاحب 〃 〃 〃	۱۱۷/۴۰	۳۵۲۹
۱۴۳- ملک رزاق صاحب UXBRIDGE MIDDX. 〃 〃	۱۱۷/۴۰	۳۵۳۰
۱۴۴- آر وزرا صاحب لندن ڈبلیو ۱۳ 〃 〃	۱۱۷/۴۰	۳۵۳۱

اسمائے گرامی	رقم	رسید نمبر
محترم ۱۴۵۔ ساجد امین صاحب۔ لندن ایس ڈبلیو ۱۹ (معرفت بزم طلوع اسلام لندن)	روپے ۲۳۴/۸۰	۳۵۳۲
۱۴۶۔ ایچ اے خان صاحب ״ ״ ״	۴۶۹/۶۰	۳۵۳۳
۱۴۷۔ [illegible] لندن (E-۸) ״ ״	۱۱۷/۴۰	۳۵۳۴
۱۴۸۔ ایم اے طاہر صاحب لوٹن ״ ״	۴۶۹/۶۰	۳۵۳۵
۱۴۹۔ مسز زینب ملک صاحبہ فارسٹ گیٹ ״ ״	۱۶۴/۳۶	۳۵۳۶
۱۵۰۔ بیگم نسیم ملک صاحبہ ״ ״ ״	۲۳/۴۸	۳۵۳۷
۱۵۱۔ مسز آر چوہدری صاحبہ ״ ״ ״	۴۶/۹۶	۳۵۳۸
۱۵۲۔ سعید اختر صاحب نارتھ ہولٹ مڈل سیکس ״	۱۱۷/۴۰	۳۵۳۹
۱۵۳۔ علی اختر صاحب۔ والتھم سٹو ״ ״	۳۵۲/۲۰	۳۵۴۰
۱۵۴۔ سلیم اختر صاحب ״ ״ ״	۲۳۴/۸۰	۳۵۴۱
۱۵۵۔ محمود الحسن رازی صاحب لندن ״ ״	۲۳۴/۸۰	۳۵۴۲
محترم ۱۵۶۔ معقول محمود فرحت صاحب لندن معرفت بزم طلوع اسلام لندن	روپے ۲۳۴/۸۰	۳۵۴۳
۱۵۷۔ بیگم آسیہ حمید صاحبہ ہونسلو مڈل سیکس ״ ״	۳۵۲/۲۰	۳۵۴۴
۱۵۸۔ [illegible] دار صاحب لندن ״ ״	۲۳/۴۸	۳۵۴۵
۱۵۹۔ آر ملک صاحب ٹوٹنگ لندن ״ ״	۲۳/۴۸	۳۵۴۶
۱۶۰۔ [illegible] ״ ״ ״ ״	۲۳/۴۸	۳۵۵۱
۱۶۱۔ مسز خالدہ مجید صاحبہ گلبرگ لاہور ״ ״	۱۱۷/۴۰	۳۵۵۲
۱۶۲۔ معرفت بزم طلوع اسلام لاہور	۵۰/-	۳۵۴۷ تا ۳۵۵۰
۱۶۳۔ شیخ عبدالمجید انصاری صاحب تحصیل خانیوال ضلع ملتان	۲۵۰/-	۳۵۵۳
۱۶۴۔ ملک حنیف وجدانی صاحب [illegible]	۵۰/-	۳۵۵۵

میزان = ۴۳۴۲/۲۵ روپے

سابقہ میزان = ۵،۱۵،۴۵۳/۲۸ روپے

کل میزان = ۵،۵۸،۸۷۵/۵۳ روپے

قرآنک کالج کے لئے عطیات

یہ تمام عطیات بغرضِ حفاظت بینک میں جمع کئے جاتے ہیں۔ پچھلے دنوں حکومت نے بینک اکاؤنٹس سے جو زکوٰۃ کاٹی تو قرآنک سوسائٹی کے حساب سے بھی مبلغ -/۲۸۲۳ روپے وضع کر لئے۔ ہم نے ایڈمنسٹریٹر جنرل زکوٰۃ کو لکھا ہوا ہے کہ یہ روپیہ مخیّر حضرات نے قرآنی مشن کے لئے بطور عطیات دیا ہے۔ (جو مرکزی حکومت کے فیصلہ کے مطابق انکم ٹیکس سے بھی مستثنیٰ ہیں)۔ اس لئے ان سے زکوٰۃ وضع کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ ان کی طرف سے ابھی تک کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ معطیان کی اطلاع کے لئے تحریر ہے۔ (مورخہ ۱۸ر اگست ۱۹۸۰ء)۔

ھندو کیا ہے، اور کیا کرنا چاہتا ہے؟

پرویز صاحب کا یہ حقیقت کشا اور عبرت آموز جامع مقالہ، جو (۴۸) صفحات پر مشتمل ہے، طلوعِ اسلام کی آئندہ اشاعت میں شائع ہو رہا ہے۔ موجودہ حالات کے پیشِ نظر اس کا پمفلٹ پہلے شائع کر دیا گیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس پمفلٹ کی عام اشاعت کی جائے۔ اس کی قیمت دو روپے فی نسخہ ہے۔

(ناظمِ ادارہ)